دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ

الحق

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

مغربی پاکستان

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

ایڈیٹر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سمیع الحق

اس خصوصی شمارہ میں

ص ۹ تا ص ۲۳

اقلیتی فیصلہ اور اس کے ذیلی تقاضے

تاثرات ۔۔۔ خطرات ۔۔۔ لائحہ عمل ۔۔۔ اور تجاویز

حکومت، عوام، علماء، مجلس عمل اور عالم اسلام کی فوری ذمہ داریاں

ایڈیٹر الحق کا سوالنامہ اور مشاہیر علم و فضل زعماء ملک و ملت کے جوابات

- آئینی فیصلہ کے بارہ میں آپ کے تاثرات اور جذبات ؟
- کیا اس فیصلہ کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی ؟
- ملک و بیرون ملک قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات ؟
- ایسے مہلک اثرات کے تعاقب کا طریق کار اور لائحہ عمل ۔۔۔۔۔۔ ؟

الشیخ محمد صالح القزاز سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی ۔ مولانا مفتی محمود ۔ مولانا ظفر احمد عثمانی ۔
شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری ۔ مولانا ماہر القادری ۔ مولانا غلام غوث ہزاروی ۔ مولانا عبدالہادی ۔
ائیر مارشل اصغر خان ریٹائرڈ ۔ مولانا مفتی محمد شفیع ۔ مولانا شمس الحق افغانی ۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی ۔
پروفیسر صغیر حسن معصومی ۔ مولانا عزیز گل اسیر مالٹا ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ۔ مولانا ظفر احمد انصاری ۔
سید ابوالاعلیٰ مودودی ، مولانا محمد اسحاق سندیلوی ۔ مولانا محمد اشرف ۔ مولانا قاضی عبدالکریم ۔
مولانا محمد شریف جالندھری ۔ مولانا امین احسن اصلاحی ۔ زیڈ اے سلہری ۔ راؤ شمشیر علی خان ایڈووکیٹ ۔
مولانا احمد عبدالحلیم کانپوری ۔ مولانا محمد طاسین ۔ مولانا عبدالحلیم مردانی ۔ مولانا محمد فرید ۔

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر : ۱۰ — اکتوبر، نومبر ۱۹۷۴ء
شمارہ نمبر ۱ ، ۲ — شوال، ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ
فون نمبر دارالعلوم — ۴ — فون نمبر رہائش — ۲

اس شمارے میں دیگر مضامین

بدل اشتراک

پاکستان میں

سالانہ ———— دس روپے

غیر ممالک میں

بحری ڈاک ایک پونڈ — ہوائی ڈاک دو پونڈ

صرف اس شمارہ کے لئے ۱/۵۰ روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

ماہنامہ الحق اس شمارہ سے اپنی حیاتِ مستعار کے دسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ زندگی کے اس مختصر یا طویل سفر میں جو کٹھن مراحل آئے یا جن سنگلاخ اور دشوار گذار راستوں سے ہمیں گذرنا پڑا یہاں ہم اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ نہ کوئی شکوہ ہے نہ شکایت کہ یہ راہ پھولوں کی سیج نہیں۔ نہ کبھی جادۂ حق کا سفر مادی اور ظاہری آسائشوں اور سہولتوں کا منت پذیر ہوا ہے۔ بیلائے حق و صداقت اپنے متوالوں کو اگر بلاتی ہے تو کسی کی زبان میں یہ کہتے ہوئے دعوتِ وصال دیتی ہے کہ

اِدھی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ

میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

الحق اپنی نویں منزل کے اختتام پر یعنی ستمبر میں قادیانی مسئلہ آئینی حل کی شکل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ فتح و شادمانی اور قرب و وصالِ حق کی ایک ایسی نعمت سے سرشار ہوا جس کا شکریہ کسی بھی ناتواں مخلوق کے بس میں نہیں نہ اس نعمت کی حلاوت و مسرت کبھی زائل ہوسکتی ہے۔ انشاء اللہ عزوجل کہ اس راہ میں الحق کی ناچیز کوششیں بھی رائیگاں نہیں ہوگئی ہوں گی۔ دسویں سال کے آغاز میں اس نعمت کے شکریہ کے طور پر ہم آقائے نامدار رحمۃ للعالمین خاتم النبیین کی بارگاہِ اقدس میں تاج و تختِ ختم نبوتؐ اور ناموسِ ختم المرسلین کے آئینی تحفظ کی تقریب میں ایک حقیر سا نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں اور وہ قادیانی مسئلہ پر مشاہیر علم و فضل اور زعماء ملک و ملت کے جذبات و تاثرات کا حسین گلدستہ ہے۔ اس امید پر کہ کیا عجب ان گلہائے عقیدت کو پیش کرنے والے اور اس کے مرتبین ادارۂ الحق اور تمام قارئین الحق کے لئے قیامت کے دن شافع محشر کی شفاعت و خوشنودی کا ذریعہ بن جائے اور یہی بضاعۃ مزجاۃ بارگاہِ ایزدی سے پروانۂ نجات نصیب ہونے کا وسیلہ بن جائے کہ یہی امید ہی زادِ راہ اور سرمایۂ آخرت ہے۔ بہرحال الحق کا یہ مخصوص حصہ بارگاہِ ختم المرسلین میں اس التجا کے ساتھ پیش ہے کہ وجئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا ان اللہ یحب المتصدقین۔

خراجِ عقیدت کے اس بابرکت ہدیہ میں کوئی بخل کئے بغیر ہم نے بلالحاظ مشرب و مسلک ملک و

ملّت اور علم و فضل سے تعلق رکھنے والے مختلف مکاتب فکر کے زعماء، علماء اہل قلم اور ارباب فکر کو اظہار خیال کی دعوت دی نہ حزب اقتدار اور اختلاف میں تفریق کیا نہ اپنوں اور غیروں میں کہ ہر ایک رحمت کائنات کی رحمت کریمانہ کا امیدوار اور طلبگار ہے۔ اور تقریباً سب نے مسئلہ ختم نبوت میں حتی المقدور حصہ لیا۔ ہمیں خوشی ہے اور ہم خلوص دل سے ان تمام حضرات کے شکرگذار ہیں جنہوں نے گوناگوں مشاغل اور عوارض کے باوجود ہمیں اپنے احساسات اور تجاویز سے نوازا اور کسی نے واقعی اعذار کی بنا پر معذرت کی اور ابھی بہت سے ایسے ہیں جن کے جوابات کے لئے ہم چشم براہ ہیں۔ مگر انتظار کی وجہ سے پرچہ کی اشاعت میں مزید تاخیر قارئین کے لئے ناقابل برداشت ہے اب بھی موجودہ جوابات شامل کرانے کی وجہ سے اتنی تاخیر ہوچکی ہے کہ ہمارے محبوب قارئین کا پیمانۂ صبر بجا طور پر لبریز ہو چکا ہے۔ گو اس تاخیر میں اس عذر کے علاوہ (کتابت کی دشواریاں طباعت اور دیگر بے شمار مسائل) کا بھی حصہ ہے۔ مگر اس شمارہ کی نامناسب حد تک تاخیر اسی وجہ سے برداشت کر لی گئی کہ اکثر حضرات کے جوابات آسکیں چنانچہ جو بھی مضمون آیا اسی وقت حوالۂ کتابت کیا گیا تا دیانت کے بارہ میں اس خصوصی حصہ کی ترتیب بھی مضامین پہنچنے کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اس لئے بعض جگہ فرق مراتب ملحوظ نہیں رکھا جاسکا۔ اور ہم ایسے تمام حضرات سے واقعی مجبوری کی وجہ سے تقدیم و تاخیر ہو جانے پر عفو و تسامح کے امیدوار ہیں۔

قادیانی اقلیت کے آئینی فیصلہ پر اس مضمون میں صرف جذبات مسرت نہیں بلکہ اندیشے بھی ہیں ذمہ داریوں کا احساس بھی دلایا گیا خطرات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اور اس پہلو پر بھی مختلف حضرات نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ کہ آئینی فتح کے بعد ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ اس مسئلے کے ذیلی تقاضے بڑھ ہی گئے ہیں۔ جو فوری طور پر حل طلب ہیں اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں مسلمانوں، علماء، بالخصوص مجلس عمل کے غور و فکر کے لئے اتنے مسائل کی نشاندہی ہو گئی ہے جس پر مزید کچھ اضافہ کئے بغیر ہم ملّت مسلمہ کے تمام طبقات حکومت، عوام، دنیا بھر کے مسلمانوں اور بالخصوص اپنے ہاں کی مجلس عمل اور مجلس تحفظ ختم نبوت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان نکات پر فوری غور کرکے انہیں عملی شکل دینے کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں ورنہ کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ اس فتح مبین سے حاصل ہونے والے شاندار نتائج ہماری غفلتوں کی وجہ سے شکست سے زیادہ خطرناک صورت سے نہ بدل جائیں۔

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا عاجلانہ طرزِ عمل

ہمیں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل و قیام پر اس وجہ سے خوشی تھی کہ اس کے اہل علم و فضل ارکان ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے فقہی اور شرعی حدود اور شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے رویت ہلال کے بارہ میں جو فیصلہ کریں گے وہ پورے ملک میں مشتہر ہوگا۔ اور اس کے نتیجہ میں ملک بھر میں رمضان اور عیدین کے موقعہ پر انتشار اور خلفشار پیدا ہونے کا سلسلہ شاید ختم ہو جائے گا۔ حکومت نے کمیٹی کے قیام و تشکیل اور انتظامات کے لئے جو کچھ کیا اس پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے بھی اس بار عید الفطر کے موقعہ پر یعنی ۲۹ رمضان بروز بدھ کی شام کو کمیٹی کی کارکردگی پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے ابھی ملک کے دور دراز دیہات کا شہروں سے کیا بیشتر حصوں سے بھی رابطہ قائم نہ ہو سکا تھا کہ سات سوا سات بجے ریڈیو اور ٹی وی پر کمیٹی کے اس حتمی فیصلہ کا اعلان ہوا کہ ملک بھر میں چاند نظر نہیں آیا اس لئے عید الفطر پرسوں یعنی جمعہ کو منائی جائے گی۔ لوگوں کی تعجیل پر یعنی اس اعلان پر حیرت ہو رہی تھی۔ ابھی ملک بھر کی ذیلی کمیٹیوں سے تو کیا کسی اہم شہر تک بھی دیہات اور قصبات کے گواہ نہیں پہنچ سکے تھے۔ اور ایسا حتمی اعلان اگر کرنا بھی تھا تو رات کے گیارہ بجے سے پہلے تو ہرگز مناسب نہیں تھا۔ پورے ملک کی حالت تو معلوم نہیں صوبہ سرحد اور خود ہمارے ہاں مقامی طور پر ساڑھے سات بجے اسی شام شہادتیں آنے لگیں۔ سنا ہے کہ پشاور کی سب کمیٹی کو بھی ایسی اطلاعات آئیں اور گواہ بھی ان کے پاس آنے لگے کہ اُدھر ریڈیو پر اعلان ہوا، اُدھر سب متعلقہ افراد نے بوریا بستر گول کر دیا۔ مرکزی کمیٹی راولپنڈی سے ساڑھے سات بجے سے لیکر رات دس بجے تک اپنے طور پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن جواب میں فون کی گھنٹی بجنے کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیتا نہ اس بارہ میں سب سے ذمہ دار شخصیت تک فون پر رسائی ہو سکی۔ ہر طریقہ آزمایا گیا مگر بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ عاجلانہ اعلان کو برقرار رکھنے کے لئے رویت کی شہادت کے باوجود دانستہ گریز کیا جا رہا ہے۔
چونکہ شرعی تقاضا کسی کمیٹی کے اعلان یا عدم اعلان نہیں بلکہ رویت ہلال ہے۔ اور وہ متحقق ہو چکی تھی۔ اس لئے مقامی طور پر جمعرات کو عید منانے کا فیصلہ کیا گیا اور اپنے طور پر ضلع کے اعلیٰ حکام تک فون پر یہ صورتحال بتلا دی گئی اور یہ بھی کہ مرکزی کمیٹی کس بے دردی سے اعلان کرا کر اپنا پیچھا چھڑا چکی ہے۔
بہرحال نتیجۃً جہاں جہاں تک راتوں رات اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، وہاں جمعرات کو عید منائی گئی صرف یہاں نہیں بلکہ ۲۹ رمضان کی شام کو صوبہ سرحد میں دور دراز مقامات پر اتنی بڑی تعداد میں چاند دیکھا گیا کہ فقہاء کے بڑے سے بڑے معیار شہادت پر پورا اتر سکتا تھا۔ اور تحصیل نوشہرہ سمیت ضلع پشاور کے اکثر

مقامات مثلاً صوابی، مردان چارسدہ، ملاکنڈ بنوں، لکی مروت وغیرہ کے علاقوں میں عید الفطر منائی گئی۔ مگر ستم بالائے ستم یہ کہ صوبہ سرحد کے اسی فیصد منائی گئی۔ عید الفطر کو پورے ذرائع ابلاغ نے گول کر دیا اور عوامی حکومت کے ایک کارنامہ یعنی ملک بھر میں ایک عید منانے کا خود ساختہ سہرا باندھنے کی پوری سعی کی گئی ہم اس "کارنامے" کے ہرگز مخالف نہیں نہ حکومت کے انتظامات پر کوئی تنقید کرتے ہیں البتہ مرکزی ہلال کمیٹی کے اس افسوسناک عاجلانہ اور غیر ذمہ دارانہ طرز عمل پر خاموش ہوتے نہیں رہ سکتے کہ اس طرز عمل نے حکومت کے ایک اچھے تجربہ کو پہلے ہی مرحلہ پر شدید ٹھیس پہنچا دی ہے۔

شیعہ نصاب کی علیحدگی ملک کی سالمیت وبقاء کیلئے لمحۂ فکریہ

پچھلے دو تین سال سے شیعہ حضرات کی طرف سے شیعہ نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھایا جا رہا تھا۔ اور یہ بات چونکہ ملک و ملت کی سالمیت یکجہتی اور یہاں کے سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے دینی اور مذہبی حیثیت پر صریح دست اندازی تھی اس لئے اہل سنت کی طرف سے بجا طور پر علیحدگی کے اس مسئلہ پر نہ صرف تشویش کا اظہار کیا گیا بلکہ ۲۱ اور ۲۵ اگست ۱۹۷۲ء کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس مسئلہ پر قومی اسمبلی کے اجلاس میں بار بار تحریک التواء پیش کیں۔ اور کئی علماء ارکان کی تائید سے سوال اٹھایا کہ یہ چیز نہ صرف ہماری اعتقادی اور فکری و مذہبی زندگی بلکہ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی زندگی کے لئے بھی تباہ کن ہے۔ اور مسلمانوں کے فکری اتحاد کو ٹھیس پہنچ کر بالآخر ملک کے اتحاد و سالمیت کے لئے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اس وقت کے وزیر قانون جناب پیرزادہ صاحب نے اس مسئلہ کو ٹالتے ہوئے مولانا سے کہا کہ یہ محض خبریں ہیں اور کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس میں اہل سنت والجماعۃ سنی مسلمانوں کی مرضی شامل نہ ہو اس کے بعد مولانا نیازی صاحب کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی اس مشترکہ کمیٹی کی سفارشات سے نہ صرف یہ کہ کیبنٹ نے نامنظور کر دیا بلکہ خود شیعہ جماعتوں میں سے بعض نے بھی اسے رد کر دیا۔ رہے جمہور اہل سنت تو انہوں نے کسی موقعہ پر بھی ایسی کسی مشترکہ کمیٹی اور علیحدگی نصاب کے مسئلہ پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء کی مشترکہ کمیٹی میں جو دو ایک علماء اہل سنت شامل تھے، انہوں نے خود بھی اسی رپورٹ کے خلاف مطبوعہ مطالبات کی دستاویز پر دستخط ثبت کر دیئے اس کے بعد کچھ عرصہ شیعہ حضرات خاموش رہے اور اب جبکہ قادیانی مسئلہ پر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں فکری اتحاد و یگانگت اور قومی یکجہتی کی ایک فضا قائم ہوئی تو نامعلوم اسباب کی بنا پر یکایک شیعہ حضرات کی طرف سے ایجی ٹیشن اور دھمکیوں کے انداز میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا گویا بالواسطہ قادیانی محاذ پر مسلمانوں کی شاندار فتح کو شکست سے بدلنے کی سعی کی گئی۔ اور بقول

شیعہ اخبارات کے حکومت شیعہ عوام کے سامنے جھک گئی۔ (ملاحظہ ہو ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر)
اور ۱۳ اکتوبر کو لاہور میں جمہور اہل سنت کے حقوق و مطالبات اور ان سے استصواب رائے کو یکسر نظرانداز کرتے فیصلہ کیا گیا کہ اپریل ۱۹۷۵ء سے سکولوں کے نصاب اسلامیات میں آٹھویں تک مشترکہ نصاب ہوگا۔ (جس میں سوانح صحابہ و صحابیات کا ذکر نہیں ہوگا۔) نویں اور دسویں کلاسوں میں علیحدہ علیحدہ نصاب ہوگا جس میں عبادات اور سوانح شامل ہوں گی وغیرہ۔ الخ

اس فیصلہ کی تفصیلات میں جائے بغیر ہم کم از کم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ خالص یکطرفہ، غیر منصفانہ اور شیعہ حضرات کے حق میں ہے یہ تصفیہ اگر ہوا ہے تو حکومت اور شیعوں کے درمیان نہ کہ سنی اور شیعہ فرقوں میں اور اس ملک کے جمہور اہل سنت کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق ہے کہ حکومت ان کی مرضی حاصل کئے بغیر اس ناجائز عقد کی خوشی میں مسلمانوں کو بھی شریک ٹھہرا رہی ہے۔ جہاں تک جمہور اہل سنت کے اکثر علماء، اصحاب فکر و نظر اور ارباب حل و عقد اداروں اور تنظیموں کا اس اہم ترین نازک مسئلہ میں غفلت، سکوت اور بے حسی کا معاملہ ہے تو ہم اپنے قومی تشخص سے غفلت اور حمیت دینی کے فقدان پر اناللہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یہاں اس حقیقت کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ قادیانیوں کو چھوڑ کر جو ہر لحاظ سے ایک الگ غیر مسلم جماعت ہے اور جو عملاً خود بھی ہر میدان میں اپنے آپ کو الگ کر چکے تھے ۔۔۔ ہم مسلمانوں کے اندر موجود فرقوں کی علیحدگی پسندی کے ایسے رجحانات کے سخت خلاف ہیں۔ شیعہ نصاب کے مسئلہ میں علیحدگی اور تفریق کی روش اختیار کرنے کی ابتداء بھی جمہور مسلمانوں سے نہیں، مٹھی بھر تعداد رکھنے والے شیعہ بھائیوں سے ہوئی ہے۔ مگر یہاں ڈر ہے کہ طعن و تشنیع اور الزامات کا نشانہ اب بھی ملک کے سواد اعظم جمہور اہل سنت کو بنایا جائے گا۔ (اور یہ ساری مظلومیت اور بے بسی محض ان کی بے حسی اور قومی حمیت کے فقدان کی وجہ سے ہے۔) اور روشن خیال دانشوروں اور ارباب اقتدار کو نہ تو علیحدگی اور افتراق کی ان سازشوں میں ملک کی سالمیت اور بقاء کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے نہ کہیں مذہبی تعصب اور جاہلانہ گروہی طرز عمل نظر آتا ہے۔ لیکن اگر جمہور کے لبوں کو ذرہ بھی جنبش ہوئی اور ظلم پر آہ بھی ہوئی تو سب کی رگ وفاداری پھڑک اٹھے گی اور وسیع النظری رواداری اور روشن خیالی کا جذبہ بھڑک جائے گا۔

بہرحال ہم آج کی صحبت میں اس فیصلہ کے بعض دور رس اور خطرناک نتائج پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ مقصد ملک کی سالمیت اور ملی یکجہتی ہے اور تمنا ملک کی گاڑی کو اس ہولناک راہ سے بچانے کی ہے جس پر اس نامعاقبت اندیشانہ فیصلہ کی صورت میں ملک کو ڈالا جا رہا ہے۔

ملک کے سیاسی تقاضوں، اقتصادی ضرورتوں اور سوادِ اعظم کی دینی اور معتقداتی نزاکتوں کے لحاظ سے حکومت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے اہم مسئلہ پر عجلت میں کئے گئے فیصلہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اکثریتی طبقہ سنی مسلمانوں کو اعتماد میں لے اور ان کے معتمد علماء اور اربابِ فکر سے مشورہ کرے

سیاسی لحاظ سے ملک کو اس وقت جس فکری سلامتی، اتحاد اور قومی یکجہتی اور نظریاتی یگانگت کی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی ملی اتحاد پر آئندہ رہے سہے ملک کی بقاء کا دار و مدار ہے۔ اب تک خوش قسمتی سے شیعہ سنی طبقوں میں یہ فضا قائم رہی باہمی منافرت اور اجنبیت کا احساس یا شدت احساس کم ہی رہا۔ سنی مسلمانوں نے تو تحریکِ پاکستان کے آغاز سے لیکر اب تک اس سلسلہ میں نہایت فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اور بار ہا اپنی قسمت کی باگ ڈور بھی ایسے ہاتھوں میں دیکر مضائقہ محسوس نہ کیا جن ہاتھوں نے آگے چل کر ملتِ مسلمہ کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھائی اور بالآخر مسلمانوں کے اس حصار پاکستان کو پاش پاش کرکے ہی چھوڑا ۔۔۔ بہرحال اس باہمی رواداری اور حسنِ معاشرت کے بنیادی عوامل میں اہم چیز موجودہ متحدہ دینی نصاب رہا کہ سکول اور تعلیم گاہ کے ماحول میں بچوں کے اذہان ایک دوسرے سے علیحدگی اور جداگانہ گروہی وجود کی تربیت سے محفوظ رہیں۔ اور اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بحمداللہ کہ قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے تعلیمی ادارے شیعہ سنی نظریاتی تصادم کی لپیٹ میں نہیں آئے اور نہ اکثریتی فرقہ کی دینیات شیعہ بچوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنی تعلیمی اداروں سے باہر بھی ہماری زندگی اس کھچاؤ سے کافی حد تک محفوظ رہی۔ بلکہ تعلیمی نصاب اور نظام کی یگانگت کافی حد تک بچوں کے ناپختہ اذہان میں باہمی الفت و تعلق اور نظریاتی اعتدال پیدا کرنے کا موجب بنتی رہی۔

اب جب نصاب کی علیحدگی کی صورت میں بچپن ہی سے بچوں کے اذہان میں ان کے جداگانہ خیالات اور نظریات اور علیحدہ علیحدہ حیثیت کا شعور اجاگر کیا جائے گا۔ تو یہ احساسِ علیحدگی آگے چل کر باہمی منافرت کی کتنی خطرناک شکل اختیار کر سکے گا۔ اور قومی یکجہتی اور فکری یگانگت کس بے دردی سے انتشار و افتراق میں بدل جائے گی۔

پھر یہ دیکھئے کہ علیحدگی کا یہ سلسلہ آخر کہیں جاکر رک بھی سکے گا یا نہیں ۔۔۔؟ اس ملک میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی کئی غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں جو شیعہ حضرات کے اپنے مطالبات کے حق میں دئے گئے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ایسے مطالبات کر سکتے ہیں۔ پھر کیا ہمیں ان مٹھی بھر غیر مسلم اقلیتوں ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی، بدھ مت، بہائی یا قادیانی فرقوں کے لئے بھی ایک الگ الگ نصاب رکھنا ہوگا۔ اور ہر فرقہ کی خواہش پر نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی از سر نو تنظیم کرنا ہوگی۔ ایک نہایت نامعقول رسم

باقی ص ۵۴ پر

اقلیتی فیصلہ اور اس کے ذیلی تقاضے ؟

ایڈیٹر الحق کا سوالنامہ
اور
مشاہیر علم و فضل زعماء ملک و ملت کے
جوابات

تاثرات، خطرات
لائحہ عمل ــ اور ــ تجاویز

حکومت، عوام، علماء، مجلس عمل اور عالم اسلام کی فوری ذمہ داریاں

- آئینی فیصلہ کے بارہ میں آپکے تاثرات اور خدشات ؟
- کیا اس فیصلہ کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی ؟
- ملک و بیرون ملک قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات ــــ ؟
- ایسے مہلک اثرات کے تعاقب کا طریق کار اور لائحہ عمل ــــ ؟

(سمیع الحق)

الشیخ محمد صالح القزاز سیکرٹری جنرل
رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

حضرة المكرم الفاضل الشيخ عبد الحق المحترم . بشاور . الباكستان

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

تسلمت رسالتكم الكريمة رقم ٩٢٣٧ وتاريخ ١٧ سبتمبر ١٩٧٤ التي عبرتم فيها عن ابتهاجكم وابتهاج اخواننا المسلمين بما قررته الجمعية الوطنية بشأن الطائفة القاديانية واعتبارها اقلية غير اسلامية .

والواقع ان ذلك فضل من الله حيث جاء الحق وزهق الباطل لان هذه الفئة عاثت في الارض فسادا ونشرت دعايتها الضالة زهاء تسعة وتسعين عاما وسيطرت على افكار كثير من المسلمين في اوربا وافريقيا حيث وقعوا في شراك ضلالها

وانا نحمد الله تعالى على ما اصاب هذه الطائفة الضالة من خزي و[illegible] انفضح امرها وما بثته من عوامل الفرقة بين المسلمين في السياسة والمجتمع على السواء ونرجو الله الا تقوم لها قائمة بعد الآن وان يتنبه اخواننا المسلمون الى دسائسها

ونوایاها السیئة ومكایدها التو ستدبرها ضد المسلمین الحقیقیین۔

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ۔ الامین العام ۔ محمد صالح القزاز

(۱۳/۹/۹۴ھ)

ترجمہ: قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بارہ میں قومی اسمبلی کے شاندار فیصلے پر آپ کی اور تمام مسلمانوں کی مسرتوں کی غمازی کرنے والا گرامی نامہ موصول ہوا۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ حق غالب ہوا اور باطل مٹ گیا۔ اس لئے کہ اس فرقہ نے زمین میں فساد برپا کیا تھا، اور اس کی گمراہ کن جھوٹی دعوت تقریباً ۹۹ برس تک پھیلتی رہی جو یورپ اور افریقہ میں بہت سے مسلمانوں کی فکری گمراہی اور کجروی کا ذریعہ بنی۔ آج ہم اس فرقہ ضالہ کی رسوائی اور مسلمانوں میں اس کی سیاسی اور اجتماعی اور تفرقہ انگیزیوں اور ریشہ دوانیوں کی قلعی کھل جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کرتے ہیں۔ اور اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس کے بعد اس فرقہ کے قدم کہیں نہ جم سکیں گے ہمیں توقع ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی ان لوگوں کی سازشوں خفیہ مذموم منصوبوں اور ان فریب کاریوں پر گہری نظر رکھیں گے۔ جو یہ لوگ سچے اور حقیقی مسلمانوں کے خلاف بروئے کار لاتے رہے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ (سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی محمد صالح القزاز)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ العلماء اسلام

شیخ الحدیث قاسم العلوم ۔ ملتان

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ وصحبہ ومن اعتز بجندہ ۔

پاکستان کی پارلیمنٹ نے عقیدہ ختم نبوت کو دستوری تحفظ دیکر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ یہ یقیناً ایک تاریخی فیصلہ ہے۔ اس سلسلے میں پوری قوم اور پاکستانی ملت، اور جملہ ارکان پارلیمنٹ مبارکباد کے مستحق ہیں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ارکین خصوصیت سے مستحق تبریک ہیں جنہوں نے تین ماہ کی طویل جدوجہد میں قید وبند کی صعوبتیں جھیل کر حکومت کے مرتشدد کا نشانہ بن کر اس تحریک کو کامیاب بنایا۔ بہت سے مقامات پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ مساجد میں جوتوں سمیت داخل ہو کر بے گناہ نہتے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ تھانوں میں فدائیان خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض جگہ ایسی دلخراش حرکتیں روا رکھی گئی ہیں جن کا ذکر بھی کسی شریف انسان کے لیے ممکن نہیں۔ بعض مقامات پر شہیدوں کے خون کا

نذرانہ بھی پیش کیا۔ بہرحال جن حضرات نے بھی اس سلسلہ میں کوئی خدمت، محنت اور قربانی حسن نیت
اور خلوص سے پیش کی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اس کی نجات آخروی کے لئے کافی ہے۔ اس سلسلہ میں
بعض سنجیدہ قسم کے لوگوں سے متعلق یہ سن کر سخت تعجب ہوتا ہے۔ کہ وہ مسئلہ ختم نبوت کے
اس حل کا سہرا صرف اور صرف وزیراعظم بھٹو کے سر باندھنے کی سعی نامشکور میں مصروف ہیں۔ مسٹر بھٹو
نے عوامی جدوجہد کے سامنے مجبور ہو کر اس فیصلہ کی تصدیق کی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ اسمبلی کے اندر
اور باہر انہیں کن مشکلات کا سامنا ہوا جس کے بعد انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ہم جب پوری قوم کو
مبارکباد دیتے ہیں۔ تو ہم نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ بلکہ پوری قوم کو انہیں اور ان کی پارٹی کو مستثنیٰ
کئے بغیر ہدیہ تبریک پیش کیا ہے۔ نہ ہم نے اپنی جماعت کے لئے کریڈٹ لینے کی کوشش کی ہے
نہ ہم اس خالص مذہبی مسئلے کو سیاسی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ دعا کرتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس جدوجہد کو قبول فرما کر ہر ایک شریک کار کو اس کا ثمرہ دنیا و آخرت میں عطا فرما دے۔

برصغیر پاک و ہند کے لوگوں نے برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے
آزادی کا مطالبہ کیا۔ جدوجہد کی۔ آخر جدوجہد کامیاب ہوئی۔ اور برطانیہ کی لیبر پارٹی کی گورنمنٹ اور اس وقت
کے وزیراعظم مسٹر اٹیلے نے بامر مجبوری ہمارا مطالبہ تسلیم کر کے ہمیں آزادی دی۔ تو کیا ہندوستان کی
آزادی کے لئے مسٹر اٹیلے اور لیبر پارٹی کی برطانوی گورنمنٹ کے نعرے لگائے جائیں۔ یا مجاہدین
تحریک آزادی کو زندہ باد کہا جاوے۔

تازہ واقعہ ہے کہ الجزائر نے فرانس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ۷ لاکھ سے
دس لاکھ تک مجاہدین کا خون پیش کیا۔ آخر کار فرانس کی حکومت نے آزادی کا مطالبہ تسلیم کر کے الجزائر کو
آزاد کر دیا۔ تو اب فرانس اور جنرل ڈیگال مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یا الجزائر کے شہداء و مجاہدین۔

انڈونیشی عوام نے سوئیکارنو کے زیر قیادت "ڈچ" قوم سے طویل جدوجہد کے بعد آزادی
حاصل کی۔ ڈچ قوم نے مطالبہ مانا۔ اب کون مبارکباد کا مستحق ہے۔ بہرحال ختم نبوت کی تحریک کے
مجاہدین کے برخلاف تشدد ظلم خونریزی بربریت کا جرم جس کے کھاتے میں پڑتا ہے۔ کم از کم تحریک
کی کامیابی کا سہرا ایسے لوگوں کے سروں پر تو نہیں باندھا جا سکتا۔ پیپلز پارٹی ہی ایک ایسی پارٹی ہے
جس کے ارکان نے انفرادی یا اجتماعی طور پر قوم کے اس عظیم مطالبے اور تحریک کا ہرگز ساتھ نہیں دیا۔
اور الگ تھلگ رہ کر عملاً ثابت کر دیا۔ کہ ان کا اس مطالبہ اور تحریک سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر پیپلز پارٹی
یا اس کے چیئرمین ہی کو مدار المہام کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ فیا للعجب۔

الغرض مجموعی طور پر قوم اور اس کے نمائندوں نے ایک تاریخی فیصلہ صادر فرما کر دستوری طور پر مرزائیوں کے دونوں گروپوں کو خارج از اسلام قرار دیدیا۔ اور انہیں پارسی، سکھ، ہندو، عیسائی، بدھسٹ شیڈول کاسٹ (اچھوت، چوہڑے، چماروں) کی صف میں لاکھڑا کیا۔ اور یہ طے کر لیا کہ:

۱۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو کسی قسم کی نبوت کسی شکل کی خیال کے مطابق ملتی ہے وہ غیر مسلم ہے۔

۲۔ جو شخص ایسی کسی نبوت کا اپنے لئے دعویٰ کرتا ہے، وہ غیر مسلم ہے۔

۳۔ جو ایسے مدعی نبوت کو نبی مانتا ہے۔ وہ غیر مسلم ہے۔

۴۔ جو ایسے مدعی نبوت کو مذہبی مصلح مانتا ہے، وہ غیر مسلم ہے۔ یہ بھی طے ہوا کہ جو مرزائی منافق بن کر خود کو مسلمان کہلاتے۔ وہ ختم نبوت کے خلاف تبلیغ نہیں کر سکے گا۔ اگر کرے گا تو سزا کا مستوجب ہوگا۔ جو دو سال قید یا مشقت تک ہو سکتی ہے۔

جو مرزائی اپنے کو کافر تسلیم کرے تو وہ دستور کے مطابق اپنے مذہب کی تبلیغ قانون اور امن عامہ کے دائرہ میں کرے گا۔ اگرچہ ایسے واضح غیر مسلم شخص کی تبلیغ کا کسی پر اثر پڑنے کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کو ان فیصلوں پر خوش ہو کر غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ ابھی اس مسئلہ سے ذیلی مسائل بہت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کا حل بھی ضروری ہے عنقریب میں اس سلسلے میں حکومت کے نمائندوں سے مل کر ان چند مسائل کے حل کو تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ اللہ توفیق دے۔ بظاہر ذیلی مسائل یہ ہیں:

۱۔ مرزائیوں کے دونوں گروپوں کے اوقاف کو حکومت اپنی تحویل میں لے۔ تاکہ اسلام کی اشاعت کے لئے لوگوں نے جو جائدادیں وقف کی ہیں۔ ان کی آمدنی غیر اسلامی کسی مذہب کی اشاعت پر صرف نہ ہو۔

۲۔ ربوہ میں واقع سفید زمین کو مسلمانوں میں فوراً تقسیم کر کے اُسے کھلا شہر قرار دینے کی عملی صورت پیدا کی جاوے۔

۳۔ لاہوری گروہ نے انجمن بنائی ہے۔ وہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے موسوم ہے۔ لہٰذا یہ نام قانوناً تبدیل کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ اب وہ اسلام کی اشاعت کا کام نہیں کر رہا۔

۴۔ مرزائی اپنی تبلیغ اسلام کے نام سے نہیں کر سکیں گے۔ ان پر قانونی پابندی عائد کرنی ہوگی۔ اس لئے کہ ان کا مذہب اب قانوناً اسلام نہیں رہا۔

۵۔ اسلام کے مخصوص اصطلاحات جو صرف اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مختص ہیں، ان کے استعمال سے انہیں قانوناً روکنا ہوگا۔ مثلاً مسجد، امیر المؤمنین، خلیفہ، صحابی، ام المؤمنین وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس قسم کے امور ہمارے دستوری فیصلے کے لازمی نتائج ہیں۔ جب تک ان نتائج کو بروئے کار نہیں لایا جاتا۔ دستوری فیصلہ صرف کاغذی فیصلہ کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

اعاذنا اللہ وجمیع المسلمین فی بلادھم من ھذا الفتنۃ الداھیۃ۔

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ

شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار سندھ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ رمضان کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی۔ آج ۳۰ رمضان کو جواب دے رہا ہوں۔

۱۔ قادیانی مسئلہ کا جو حل وزیر اعظم پاکستان اور ان کی کابینہ نے کیا ہے۔ میں نے اس پر وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو دلی مبارکباد دی ہے۔ کہ یہ فیصلہ شریعت کے مطابق اور عام اہل اسلام کے جذبات کے موافق ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

۲۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد حکومت کا فرض ہے کہ ان کو کلیدی عہدوں سے الگ کریں اور فوج پاکستان سے بالکل الگ کریں۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مذہب میں جہاد منسوخ ہوگیا ہے۔ اس کے ماننے والوں میں جذبہ جہاد نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کو ان کے ساتھ اسلامی تعلقات رکھنے نہ چاہئیں۔ جو خود قادیانی بنا ہے وہ مرتد ہے۔ جس کو تین دن کی مہلت دے کر قتل کر دینا حکومت کا فرض ہے۔ اور جو خود مرتد نہیں ہوا، بلکہ مرتد کی اولاد ہے۔ وہ اگر دوسروں کو مرتد بناتا ہے اس کی بھی یہی سزا ہے اور جو مرتد نہ بناتا ہو اس سے اسلامی تعلقات نہ رکھے جائیں۔

اور جو قادیانی توبہ کرنا چاہے اس کی توبہ قبول کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر مرتد مانے اسی طرح جو اس کو نبی کہتے ہیں، ان کو بھی کافر و مرتد مانے۔ والسلام (۳۰ رمضان ۱۳۹۴ھ)

شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری ، لاہور

کرم فرما ! مولانا سمیع الحق صاحب ! سلام مسنون قبول کریں۔ الحق کا شمارہ ستمبر ملا۔ مطالعہ میں آیا۔ آپ کا مکتوب بھی ملا۔ چونکہ جواب طلب ہے اس لئے تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ کے مکتوب میں چند اہم سوالات ہیں جن کا تعلق قادیانی مسئلہ کے اس حل کے بارے میں ہے۔ جو ۷ ستمبر کی شام " اسلامی " پاکستان کی قانون اسمبلی میں سے منتخبہ خاص کمیٹی کی سفارش پر متفقہ قرارداد کی صورت میں منظور کیا گیا۔ اور اس کا اعلان موجودہ عوامی حکومت کے محترم وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا۔

مولانا ! اگر آپ کے نزدیک بھی یہ قادیانی کا ایسا حل ہے جس پر خوشیاں منانے اور مطمئن ہو کر میں جی ہاں کہوں اور اس فتنۂ باطنیہ کو دفن ہو چکنے والا سمجھ کر آپ سب کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ تو مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا کرنے سے قطعاً معذور ہوں ——— میں ڈرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ جا ہے سمیع الحق ہی کیوں نہ ہوں ، وہ حق اسی آواز کو قرار دیں گے جو خود ان کے فیصلے کی تائید میں ان کے گوش میں آئے۔ میں اس وجہ سے شاید خاموشی یعنی آپ کے سوالات کے جواب میں چپ رہنا اختیار کرلیتا۔ لیکن جو احترام ، احترام ہی نہیں ہم عقیدتی آپ سے اور مولانا عبدالحق صاحب سے ہے۔ جواب نہ دینا بھی خلاف آداب تعلقات ہے۔ اس لئے یہ سطور بہ تعجیل لکھ رہا ہوں۔

۱۔ آپ کا اداریہ کا اولین کلمہ قومی اسمبلی کے فیصلے " تاریخی اسلامی فیصلہ بتاتا ہے۔ اس کو آپ نے عظیم اور مبارک فیصلہ قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک یہ قادیانی مسئلے کا وہ حل نہیں ہے جو حل قرآن کریم و حکیم نے پہلے ہی سے کر رکھا ہے۔ البتہ یہ ایک فیصلہ ہے جو اسلام کی قرآنی عدالت سے نہیں ، انگریز کی مسلط کردہ جمہوری عدالت نے دیا ———

یہ جمہوری عدالت قابل تحسین ہے اس لئے کہ جو کچھ آپ علماء صاحبان نے طلب کیا وہی آپ کو مل گیا۔ اس لئے جس طرح قادیانی فتنہ کے خلاف آپ نے کروڑوں عامۃ المسلمین کہلانے والے ([illegible]) کو مکمل آواز کے لئے اتحاد کی دعوت دی تھی۔ اسی طرح حکومت پاکستان کے اس فیصلے پر آپ نے خوش ہو کر جشن منانے کی صورت بھی پیدا کر دی ——— یہ جشن حل مسئلہ کا جشن نہیں۔ علماء کے اس مطالبے کا جشن ہے۔ جو انتہائی طور پر محدود بھی تھا۔ اور غیر مآل اندیشانہ بھی۔ اور ایسا ہے کہ اب فتنۂ قادیانی

پاکستان ہی نہیں پوری دنیائے اسلام کو تباہ و برباد کرانے کے لئے پہلے سے زیادہ مضبوط ہوکر جو چاہے گا کرے گا۔

سرزمین پاکستان کے سینے میں جھنڈا گاڑے ہوئے اطمینان سے رہتے سہتے یہودیت کے اصل ہراول دونوں گروہ لاہوری ہوں یا ربواہی کیا اپنے مقاصد سے باز آجائیں گے۔

آپ کے پاس اب کونسا حربہ ہے۔ جو ان کے حربوں کے لئے آپ استعمال فرمائیں گے۔

آپ مطمئن ہو گئے۔ ملّت کو آپ نے مطمئن بنادیا آپ کی نیت درست ہے، بجا ہے لیکن

سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست

لہذا سوالات کے جوابات فی الحال بے فائدہ ہیں۔ ہاں میں نے سطور انتہائی ادب سے لکھی ہیں۔ میں نے ان قادیانیوں کو پورے ستر برس سے جانا پہچاننا شروع کیا تھا۔ ان کا مبلغ اعظم ظفراللہ خان چودھری میرے دیوار بہ دیوار برسوں پڑوسی رہ چکے۔ رات دن ان سے ان کے طریق تبلیغ الحاد کا پڑھ رہا ہوں۔ اس لئے اب ایک مستقل کتاب ہی لکھوں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اللہ بطفیل سرکار دو جہاں مدد کریگا۔

(۱۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

مولانا ماہر القادری - مدیر ماہنامہ فاران کراچی

جناب مکرم ! السلام علیکم۔ گرامی نامہ ملا۔ یاد آوری کا دلی شکریہ۔ آپ کا پہلا سوال ہے :

۱۔ قادیانی مسئلہ کے اس حل پر آپ کے احساسات، جذبات اور تاثرات کیا ہیں۔؟

جواب :۔ اکتوبر ۷۴ء "فاران" کا اداریہ (نقش اول) میرے احساسات کا آئینہ دار اور میرے جذبات و تاثرات کا ترجمان ہے۔ اس مسئلہ کے حل ہو جانے سے ملک بہت بڑے بحران CRISIS سے محفوظ ہو گیا۔ ورنہ ختم نبوت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے تھے اور وہ دستوری طور پر اس مسئلہ کے تعلق ہونے سے تنگ آچکے تھے۔ ارباب اقتدار کا یہ حال ہے کہ وہ اس مسئلہ کا کریڈٹ بھی لینا چاہتے ہیں۔ اور اس کا ذکر بھی انہیں زیادہ پسند نہیں ہے۔ تیر از کمان رفتہ والا معاملہ ہے۔

۲۔ قادیانی فتنہ کے دینی اور سیاسی اثرات ملک و بیرون ملک پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ اقلیتوں کے تحفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ پر ختم ہوگئی یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تدارک و احتساب جاری رکھنا ہوگا۔

جواب :۔ مسلمانوں کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی۔ قادیانیوں میں تبلیغ کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ ان پر

اخلاق و محبت کے ساتھ کام کیا جائے۔ اور خاص طور سے مرزا قادیانی کی تحریریں انہیں پڑھوائی جائیں کہ بھی تو کیا کسی شریف آدمی کے یہاں بھی کیا ایسی متضاد اور انمل بے جوڑ باتیں مل سکتی ہیں ؟ اقلیت کے حقوق کا تحفظ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔ مگر مولانا مودودی کے بقول حکومت نے سانپ کو لاٹھی مار کر اُسے چھوڑ دیا ہے۔ اور چوٹ کھایا ہوا سانپ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ قادیانی سیدھے سادے طور پر غیر مسلم ذمّی کی حیثیت سے پاکستان میں امن و امان کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ مگر پاکستان اور ملّتِ اسلامیہ کے خلاف سازشیں برداشت نہیں کی جا سکتی ! یہ مسئلہ بھی بہت اہم اور خاص طور سے قابلِ غور ہے۔ کہ مسلمانوں کی حکومت اور مسلم معاشرے میں نبیٔ کاذب کی جھوٹی نبوت کی دعوت نہیں دی جا سکتی۔ یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں اور زردشتیوں کے کفر اور کاذب نبی کی نبوت کا موقف ایک جیسا نہیں ہے۔ یہ وہ کفر ہے جس کی تبلیغ مسلمانوں میں قانوناً ممنوع ہونی چاہئے۔ جس طرح مسیلمہ کذاب کے نام کے ساتھ حضرت اور علیہ السلام کے القاب گوارا نہیں کئے جا سکتے، اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے نام کے ساتھ تکریم و تعظیم اور احترام کے القاب برداشت نہیں کئے جا سکتے۔ ابوجہل اور ابولہب کافر تھے۔ منکرِ نبوت تھے۔ حضور کے دشمن تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حریف اور مدِّ مقابل نہیں تھے، مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مدعیٔ نبوت ہے۔ اس لئے اس کا موقف حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حریف کا موقف ہے۔ (استغفر اللہ)

(۲۹ رمضان ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی

برادرم مولانا سمیع الحق صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ مرزائیت کا اللہ تعالیٰ نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اب ان کا معاملہ دوسرے کافروں کی طرح ہے۔ یہ سکھ پارسی عیسائی اور ہندو کی طرح ہو چکے ہیں۔ نکاح وغیرہ کے مسائل حل ہو گئے۔ ہمارے ٹکٹ پر یہ ممبر نہیں بن سکیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ باقی مسائل کے بارہ میں ہم کو امید رکھنی چاہئے کہ حل ہو جائیں گے میں اس بات کے سخت خلاف ہوں کہ بعض خود غرض اور اقتدار پسند افراد کہتے پھرتے تھے کہ حکومت مرزائی ہو گئی ہے۔ مرزائی نواز ہے۔ یہ ٹال رہی ہے ——— میرے بھائی ! یہ کافی ہے۔ باقی میں سمجھتا ہوں، مرزائیت کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے۔ کم از کم اسی مسئلے کو ہم اپنی سیاست کا مسئلہ نہیں بنا سکتے۔ جیسے دینی ضرورت پیش آئے گی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ فقط۔ (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

حضرت قبلہ مولانا عبدالہادی صاحب دین پور شریف

محترم المقام ایڈیٹر صاحب ! سلام مسنون۔ آپ نے مرزائیوں کے بارے میں چند سوالات کئے ہیں۔ فقیر عرصہ چار پانچ سال سے صاحب فراش ہے۔ نماز بھی بیٹھ کر ادا کرتا ہے۔ مسجد میں چند نمازدوں پہ دوست چار پائی پرے جاتے ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام زیر قیادت مفتی محمود صاحب ہے۔ فقیر اس جماعت کے ساتھ قلبی تعلق رکھتا ہے۔ جو پروگرام جمعیت علمائے اسلام مرتب کرے گی فقیر کی رائے وہی تصور فرمادیں، فقیر کا ذہن بیماری کی وجہ سے کچھ نہیں سوچ سکتا۔ بارِ خاطر نہ ہوں۔ والسلام۔

ایئر مارشل (ریٹائرڈ) محمد اصغر خان سربراہ تحریکِ استقلال

مکرمی سمیع الحق صاحب ! السلام علیکم۔ گرامی نامہ مورخہ ۲۲ ر رمضان المبارک موصول ہوا۔ شکریہ۔ ہفت روزہ "لیل و نہار" کے ایڈیٹر نے قادیانی مسئلے کے بارے میں ایک خط کے ذریعے کچھ استفسار کیا تھا۔ میرا جواب "لیل و نہار" (۲۳ رجون ۲۹ رجون ۷۴ ۱۹ء) میں شائع ہو چکا ہے اس میں آپ کے ایک سوال کا جواب موجود ہے۔ میں نے کہا ہے کہ :

"اس ملک میں اقلیتیں تو اور بھی ہیں لیکن قادیانی ایک ایسی غیر مسلم اقلیت ہیں جو باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت اعصابی اور کلیدی عہدوں پر قابض ہوتے ہیں اور انہوں نے مملکتِ پاکستان کے اندر اپنی ایک الگ مملکت بنا رکھی ہے۔ ہم برسرِ اقتدار آگئے تو ہم ان کی زیرِ زمین سرگرمیوں پر نظر رکھنا بھی ضروری سمجھیں گے، تاآنکہ یہ محبِّ وطن اقلیّت کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں"

آپ کے دیگر سوالات کی نسبت عرض ہے کہ مسئلہ کا قانونی حل فراہم ہو گیا ہے۔ لیکن عملاً اس قانون کو نافذ کرنا باقی ہے۔ میرے خیال میں یہ کام صرف ایسی حکومت کر سکے گی جو قادیانیوں کی ممنونِ احسان نہ ہو اور جو ملکی سالمیت کو اپنے اقتدار کی خواہش پر ترجیح دیتی ہو اور اسلامی قدروں کے بارے میں فی الحقیقت مخلص ہو۔

قادیانی فتنہ یقیناً ملک کے اندر اور باہر پھیلا ہوا ہے لیکن اس کا مرکزی قلعہ پاکستان میں ہے۔ اگر ترمیم شدہ قانون کی روشنی میں صحیح اور جائز اقدامات کئے جائیں تو یہ قلعہ منہدم ہو سکتا ہے۔ اور بیرونِ ملک بھی اس کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو سکتے ہیں۔ آپ کا خیال درست ہے کہ آئین میں ترمیم کو

اپنے منطقی انجام (LOGICAL CONCLUSION) تک پہنچانا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ اس غرض کیلئے موقع ومحل کے اعتبار سے طریقۂ کار وضع کیا جاسکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جو نظریۂ پاکستان کے علمبردار اور صرف محمد عربی ﷺ کے وفادار ہوں! امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے ــــ (۱۵ر اکتوبر ۷۴ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان

ــــ بانی و صدر دارالعلوم کراچی ــــ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ قادیانی مسئلہ کے حل پر ہر مسلمان کے احساسات اور جذبات ایک ہی قسم کے ہیں۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی سچی مسرت نصیب کی ہے۔ جس پر عالم اسلام کا ہر گوشہ مسرور اور شاداں نظر آتا ہے۔ یہ اس طویل جدّوجہد کا ایک کامیاب مرحلہ ہے جو مسلمانوں اور علمائے اسلام نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں شروع کی تھی۔ میں اس قافلے کا ایک ادنیٰ رفیق رہا ہوں۔ جو امام العصر حضرت علاّمہ انور شاہ صاحب کشمیری رحؒ کی قیادت میں فتنۂ قادیانیت کے سدّ باب کیلئے روانہ ہُوا تھا۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے۔ جب استاذ مکرم حضرت شاہ صاحب رحؒ اس گمراہی کے اثر ونفوذ سے ہر لحہ بے چین رہتے، اور ان کے دل کو کسی طرح قرار نہیں تھا۔ انگریز کی حکومت تھی جس کی مکمل سرپرستی قادیانیوں کو حاصل تھی، اس لئے مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہوگیا تھا، اور مسلمانوں کی جدّوجہد کو قدم قدم پر حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب بہاولپور کے مقدّمے میں کام کرنے کے لئے حضرت شاہ صاحب رحؒ نے ہم خدام کو بہاولپور میں جمع کیا، اور جب اس چھوٹے سے مقدمے میں مسلمانوں کو فتح مبین عطا ہوئی تو اس وقت دل شکستہ مسلمانوں کی مسرت قابلِ دید تھی۔ کیونکہ اس مقدمے میں پہلی بار عدالتی سطح پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

آج اگر حضرت شاہ صاحب رحؒ اور ان کے کاروانِ حق کے دوسرے رفقاء موجود ہوتے تو ان کی مسرت کا کیا عالم ہوتا؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ باطل کو کبھی نہ کبھی سرنگوں ضرور ہونا ہی پڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرسکتا کہ یہ وقت میری زندگی ہی میں آگیا، اور اس قافلے کے ایک ادنیٰ خادم کو یہ مسرت اپنی آنکھوں سے دیکھنی نصیب ہوگئی

فللّٰہ الحمد کلّہٗ ولہ الشّکر کلّہٗ ۔

اس مسرت کے ساتھ ہیں مملکت پاکستان کے وجود پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر یہ ملک نہ بنا ہوتا تو یہ کام انجام نہیں پا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کو قائم و دائم رکھے اور اسے دین حق کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس کامیابی کے بعد اہم ترین سوال یہ ہے کہ اب مسلمانوں کا لائحۂ عمل کیا ہونا چاہئے ۔؟ جو لوگ اس کامیابی کے نشے میں اس اہم سوال کو پس پشت ڈال دیں گے یا اس کے جواب میں سنجیدگی، ہوش مندی اور اخلاص عمل پر کاربند نہیں ہوں گے وہ اس کامیابی کے تمام اثرات پر پانی پھیر دینے کے مرتکب ہوں گے ۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیانیت کے سلسلے میں اس کامیابی سے اس مہم کا صرف ایک منفی مرحلہ طے ہوا ہے ۔ اس مرحلے کا مقصد یہ تھا کہ حق و باطل اور اسلام و کفر میں ایک واضح خط امتیاز قائم ہو جائے اور دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ اس مذہب کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد اب مثبت کام سارا باقی ہے۔

اور وہ کام سب سے پہلے یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے راہ حق سے بھٹک کر قادیانیت کے دام میں آئے ہوئے ہیں۔ انہیں انتہائی حکمت ، دردمندی ، دلسوزی اور پیغمبرانہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے واپس لانے کی کوشش کی جائے ۔

قادیانی مذہب کے بہت سے متبعین ایسے ہیں ، جنہیں یہ مذہب اپنے ماں باپ یا ماحول سے ورثے میں ملا ہے ، اور انہیں اسکی سنگین گمراہیوں سے آگاہ ہی نہیں ہونے دیا گیا اور بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو اس مذہب کو ایک فرقہ وارانہ مسلک سمجھ کر کسی دنیوی مفاد کی خاطر اس مذہب کے پیرو ہو گئے ہیں۔

ایسے لوگوں کو ہمدردی ، ملاطفت اور مخلصانہ دعوت کے ذریعہ حقیقت حال سے آگاہ کرنے اور خدا کا خوف دلانے کی ضرورت ہے۔ ان کے سامنے اس مذہب اور اس کے بانی کی وہ باتیں نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے ۔ جن سے قادیانیت کی اصلیت واضح ہوتی ہے ۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اسلام اور اس کے علوم سے ناواقفیت کے سبب

—— واقعتہً غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔ انہیں بھی دلائل و براہین اور تبلیغ و دعوت کیلئے اس گمراہی سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر حکمت، اخلاص اور سچے جذبۂ دعوت کے ساتھ یہ کام کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو سکے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہماری دعوت کے ذریعہ راہ حق سے ہمکنار کردے تو اس کے برابر ہماری سعادت کوئی نہیں ——۔

یہ کام یوں تو ہر مسلمان کے کرنے کا ہے، جو شخص جہاں ہے وہ اپنے ماحول میں ایسے لوگوں پر کام کرے۔ لیکن خاص طور سے اہل علم حضرات، دینی جماعتوں اور اداروں کو اس غرض کے لئے اپنے اپنے حالات اور وسعت کے مطابق مخصوص طریق کار سے کرنا چاہیئے۔ قادیانیت کے موضوع پر لٹریچر کی کمی نہیں، لیکن ان میں سے مختلف مدارج کے لٹریچر کا انتخاب کر کے اور مزید مختصر رسالے تیار کر کے انہیں منظم طور سے شائع کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ جس مقام پر قادیانی زیادہ تعداد میں آباد ہیں، وہاں اس موضوع پر عبور رکھنے والے حضرات تبلیغی وفود کی شکل میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

دوسری طرف حکومت کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے، ان کی وہ رعائتیں ختم کرے جو ماضی میں انہوں نے ناجائز طور پر حاصل کی تھیں۔ ملازمتوں میں ان کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھے، انہیں بحیثیت مسلمان تبلیغ کرنے سے روکے، اور غیر ممالک میں سفارت خانوں کے ذریعے ایسا لٹریچر تقسیم کرائے جو پارلیمنٹ کے حالیہ بل کی تشریحات پر مشتمل ہو، تاکہ بیرونی ممالک اس بل کے مضمرات سے آگاہ ہو سکیں، اور قادیانیوں کی طرف سے اپنی نام نہاد مظلومیت کا جو پروپیگنڈا کیا جارہا ہے، اس کا سدّباب ہو سکے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھادی الصواب۔

حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

وجامعہ اسلامیہ بہاولپور

عزیز القدر الحاج مولانا مولوی سمیع الحق صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا اخلاص نامہ دربارۂ تاثرات حل فیصلہ قادیانی موصول ہوا۔ دور حاضر میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے جو فیصلہ حکومت نے کیا وہ انتہائی

مسلمانہ وجرأت مندانہ اقدام ہے۔ جس کی جرأت سابق پاکستانی حکمران نہ کر سکے اس دور میں اس سے زیادہ ممکن نہیں تھا۔

لا الہ الا اللہ (۱) ۔ محمد الرسول اللہ (۲) ۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (۳)

۱۔ اسلام توحید الٰہی کی صورت میں خداشناسی کی اصلی روح ہے۔ رسالت محمدی کے ذریعہ اسکی حقیقی تشخیص وتشکیل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے حقیقی خداشناسی کیلئے رسالت شناسی اپنی اصلی شکل میں لازمی ہے۔ جو ختم نبوت ہے۔ اگر وصف ختم نبوت انکار کی زد میں آجائے تو رسالت کا حقیقی نقشہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ختم ہونے کی وجہ سے توحید کا اصلی نقشہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ توحید(۱)۔ رسالت محمدی(۲) ختم نبوت(۳)، یہ اسلام کی ایسی تین بنیادی کڑیاں ہیں جو یقین کے درجے میں ایسے مربوط ہیں کہ ثالث کے انکار سے ثانی اور ثانی کے انکار سے اوّل کا منطقی یقین بھی ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ تجویز ولائحہ کار برائے مستقبل | دنیا میں سب سے بڑی طاقت آواز کی طاقت ہے۔ فرعون کے تاج وتخت اور جبروت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز نے ختم کیا۔ قیصر وکسریٰ کی عظیم حکومتیں آواز محمدی کے ابلاغ سے پیوند زمین ہو گئیں۔ زار روس کے راج کو لینن کی آواز نے ختم کیا۔ اس اصول کے مطابق مرزائی تنظیم اور اس کے اثرات کو صرف آواز ہی ختم کر سکتی ہے۔ یہ حکومت کے بس کی بات نہیں حکومت نے اپنا حق ادا کیا۔ اب آواز یعنی تبلیغ تحریری وتقریری کے ذریعہ ہر مسلمان ہر مرزائی کو اخلاص کے ساتھ تبلیغ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر دے۔ تاجر تاجر سے ملتا ہے۔ ملازم ملازم سے اور ہر ایک اپنے پاس والے ملازم کو نرم اور ہمدردانہ طور پر روز جب موقع ملے تبلیغ شروع کرے اور تبلیغ کیلئے متعلقہ کتب اور علماء کرام سے امداد حاصل کرتے رہا کریں اور رابطہ جاری رکھیں۔ (۸ر شوال ۹۴ھ)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب۔ ادارۂ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد

مولانا محترم ومکرم ونفعکم اللہ بما ہو رضاہ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ نشان ۱۳۳۲ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۷۴ء موصول ہوا۔ آپ نے اس گرامی نامہ میں جو سوالات لکھے ہیں، ان کے سلسلہ میں حسب ذیل سطور پیش ہیں۔

۱۔ قادیانی مسئلہ کو جس طرح اسمبلی نے حل کیا ہے۔ وہ ہر آئینہ قابل ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کے لئے سعی فرمائی ہے۔ علمائے کرام اور دیندار مسلمان تو

تو ابتدائے فتنۂ قادیانیت ہی سے ان لوگوں کو دین و دنیا دونوں کے لئے عظیم خطرہ قرار دے کر ان کو خارج از دائرۂ اسلام کہتے چلے آئے تھے۔ شکر ہے کہ دیگر ارکانِ اسمبلی کو بھی خداوند تعالیٰ نے حق کی طرف رہنمائی فرمائی۔ میں نے اسمبلی کا فیصلہ سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

۲۔ قادیانیوں نے دشمنانِ اسلام کی حمایت اور اعانت سے ساری دنیا تو نہیں مگر بہت سے ملکوں میں اپنے اثرات کا زہر پھیلا دیا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ہم بھی اس زہر کا تریاق لے کر مختلف ملکوں میں پھیل جائیں اور ان کے سیاسی اور دینی زہر کا مقابلہ کریں۔ میرے خیال میں کرنے کا یہ ایک ضروری کام ہے۔ افریقہ کے دو ملکوں کو اس تریاق کی شدید ضرورت ہے۔ ایک نائیجیریا اور دوسرا مشرقی افریقہ۔ اسی طرح جنوب مشرقی ایشیا کے دو ممالک ملیشیا اور انڈونیشیا کی طرف فوری توجہ کی شدید ضرورت ہے۔

۳۔ اقلیتوں کی حفاظت اور ان کے عمرانی حقوق کی صیانت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم ان لوگوں کو کھلی چھٹی دیدیں جو نہ وطن کے وفادار ہیں۔ اور نہ دینِ حق کے۔ مسلمانوں سے زیادہ اقلیتوں کے حق میں نرم اور وسیع الصدر دنیا کی کوئی دوسری قوم نہیں ہے۔ لیکن کسی اقلیت کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ فتنۂ اختلاف پیدا کرے اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کے خلاف دشمنانِ دین سے مل کر سازش کرتی ہے۔ اور نہ اسکی اجازت دی جا سکتی ہے۔ کہ وہ ملک کے کسی حصہ میں اپنی الگ آبادی بسا کر متوازی حکومت قائم کرے یا افسروں کی ملی بھگت سے نظم حکومت و معیشت کو متاثر کرتی رہے۔

ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان تمام بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کریں۔ اور اس طرح اصلاح کریں کہ قادیانیوں کو مسلمان بن کر ریشہ دوانیوں سے باز رکھنے کی ہر مناسب تدبیر اختیار کریں۔ ان کے شناختی کارڈوں پر ان کا دین واضح طور پر لکھ دیا جائے۔ ان کے پاسپورٹوں پر ان کا دین ظاہر کر دیا جائے۔ تاکہ تلبیس والتباس کا سدِ باب ہو جائے۔

۴۔ مسلمانوں کو کسی مرحلہ پر غافل نہیں ہونا چاہئے۔ ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے۔ پاکستان میں قادیانیوں کے اندر تبلیغ دین کا وسیع انتظام کیا جائے۔ بہت سے قادیانی مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں گے۔ ان بیچاروں کو ہفوات مرزا کی خبر نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں یہ بھی پیری مریدی کے دیگر سلسلوں کی طرح کوئی سلسلہ ہے۔ اور جب وہ یہ جان لیں گے کہ یہ اسلام نہیں بلکہ ایک بالکل علٰحدہ دین و مذہب ہے تو امید ہے کہ بہت سے تائب ہو کر ایمان لے آئیں گے۔ اور اس سے بہتر کیا ہو گا کہ بھٹکتا ہوا انسان دینِ حق پر آجائے اور یہی عمل تبلیغ دوسرے ممالک میں بھی جاری کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

(۳۰ر اکتوبر ۱۹۷۴ء)

جناب ڈاکٹر پروفیسر صغیر حسن معصومی۔ اسلام آباد

جناب کرمی ایڈیٹر صاحب ماہنامہ الحق۔ اکوڑہ خٹک ! السلام علیکم۔ آپ کے استفسار کے جواب میں یہ چند سطریں مرسل ہیں :۔

۱۔ قادیانی مسئلہ کے حل پر ہم حکومت کو مبارک باد دیتے ہیں کہ نہایت عمدہ اور مناسب حل عوام اور خصوصاً علماء کرام کے مطالبے کے مطابق، اسمبلی سے پاس کرالیا۔ اس حل سے اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور سرخروئی عطا کی۔ فرزندانِ توحید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ حکومت نے اس عقیدے کی حرمت کو قائم رکھنے میں سر توڑ کوشش کی ہے۔ اور اس عقیدے کے مخالفین کو دشمنِ اسلام قرار دیا ہے۔

۲۔ چونکہ قادیانی فتنہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا ہے۔ اس لئے اس کے دینی اور سیاسی اثرات دور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر احمدی یا قادیانی حکومت کے شناختی کارڈ یا پاسپورٹ یا ڈومیسائلڈ سرٹیفیکیٹ پر قادیانی یا احمدی ہونے کا برملا اظہار کرے۔ اگر ایسی تدبیر اختیار نہ کی گئی تو یہ لوگ نفاق اختیار کرکے اور حلفیہ اپنے کو مسلمان اور ختم نبوت کا معتقد قرار دیکر مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دینے کی کوشش کریں گے۔ اور پھر اندرون و بیرون ملک میں ملتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے سے کسی طرح باز نہ آئیں گے۔

۳۔ غرض اس فتنہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت پاکستان کوئی ایکٹ پاس کرکے ہر احمدی اور قادیانی کو اپنے عقیدے کے اظہار کرنے پر مجبور کرے۔ جب ان کو غیر مسلم قرار دیا جاچکا ہے تو ان کی تعداد کی مناسبت سے ان کو حقوق دئے جائیں، اور ہر شعبے میں اسی مناسبت سے ان کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔

بنا بریں عقیدۂ ختم نبوت کے راسخین اس وقت حقیقی مسرت محسوس کرسکتے ہیں۔ جب کہ حکومت پاکستان اپنے عملی اقدام سے دنیا پر واضح کردے کہ اہلِ نفاق احمدی وقادیانی اور صحیح العقیدہ مسلمانوں میں امتیاز و فرق نمایاں ہے۔ با نحو حکومت کے الفاظ میں بعض غیر مسلموں کو مسلمانوں کے حقوق و امتیازات نہیں دئے جارہے ہیں۔

اہلِ علم حضرات اسی وقت اطمینان کی سانس لے سکتے ہیں۔ جب کہ اہل نفاق صحیح طور پر توبہ کرکے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہوجائیں، گھل مل کر رہیں، ان کی مسجدوں میں آئیں، اور پیار ومحبت سے زندگی گذاریں ــــــــ

(۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۴ء)

یادگارِ سلف، اسیرِ مالٹا رفیق و تلمیذِ خاص حضرت شیخ الہندؒ

حضرت مولانا میاں عزیر گل صاحب دامت برکاتہم

برادرم حضرت مولانا سمیع الحق زاد اللہ معالیکم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، اما بعد ، نوازش نامہ باعثِ سرفرازی ہوا حسنِ ظن کا شکریہ اگرچہ میں اس کا مستحق نہیں۔

۱۔ مجلسِ عمل نے جو کام کیا، قابلِ صد آفریں ہے۔

۲۔ کام کی ابتدا ہوتی، ختم نہیں ہوا۔ ایک کام حکومت کا ہے۔ دوسرا رعایا کا، رعایا کا کام تعمیلِ حکم مجلسِ عمل ہے۔ بندہ کے پاس کوئی خاص تجویز نہیں۔ میں نے قصداً جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔ مگر جناب کے دوبارہ نوازش نامہ نے مجبور کر دیا۔ یہ عریضہ اس قابل نہیں کہ مشتہر کیا جاوے۔ والد صاحب کو سلام مسنونہ عرض ہے۔

(یکم نومبر ۱۹۷۴ء)

جنابِ محترم ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب صدر شعبۂ دائرۂ معارفِ اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی

قادیانیوں کے بارے میں اقلیتی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس طرح علماء کی وہ جدوجہد کامیاب ہوئی جس کے لئے وہ تقریباً ایک سو سال بھرپور لڑائی لڑتے رہے ——— اور مجھے یہ کہنے دیجئے کہ تنہا لڑتے رہے۔

میں جب یہ کہتا ہوں کہ یہ لڑائی تنہا علماء نے لڑی تو بالکل حقیقت بیان کر رہا ہوں، علماء کے علاوہ جو طبقے یہاں موجود ہیں۔ ان کی بہت سی تحریریں بطور شہادت پیش کی جا سکتی ہیں کہ ان کا نقطۂ نظر بالعموم علماء کے موقف کے خلاف اور قادیانیوں کے حق میں رہا ہے۔ اور اس میں بڑے بڑے اکابر کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

تو مقصد گفتگو یہ ہے کہ یہ خالصتہً علماء کے موقف کی جیت ہے جس میں کسی سیاسی مفاد و مصلحت کو دخل نہیں۔ اور اب جبکہ علماء اس جنگ عقیدہ میں کامیاب و بامراد اور سرخرو ہو کر باہر آ رہے ہیں تو یہ پھر علماء ہی کا فرض ہے۔ کہ اس فیصلے کے بعد جو نتیجے نکل سکتے ہیں ان کے بارے میں اپنے ذہن کو صاف کریں اور ایک تنظیم اور قوت مجتمعہ سے ان نئے فرائض کے لئے خود کو کمربستہ و مستعد کریں جو اس سلسلے میں ان پر عائد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ بالآخر دین کی خدمت علماء ہی کریں گے۔ اور وہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ

دین کی خاطر (نہ کہ سیاست اور مفادات دنیوی کی خاطر) کام کرنے کی اصولی صلاحیت علماء ہی کے پاس ہے۔

اقلیتی فیصلے سے علماء پر یہ روشن ہو جانا چاہئے کہ اس ملک میں (بلکہ دنیا کے ہر ملک میں) دین اسلام کی برکت اسی صورت میں ہر کسی پر واضح ہو سکتی ہے کہ علمائے امت میں اصولیات میں اتحاد ہو۔ آج تک اسلام کے بارے میں بے حسی اور بے رونقی جتنی بھی موجود ہے اس کا ایک بڑا سبب علماء کا باہمی اختلاف ہے۔

ہم کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ پاکستان اور عالم اسلام میں اسلام کا قانون اور اسلامی طرز زندگی رائج ہو لیکن ہمیشہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اسلامی قانون کی فروعات کو مدار کار بنا کر اختلاف کا بازار گرم ہوا اور عام مسلمان شہری کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ کس مسلک اسلام پر عمل کیا جائے۔ بلکہ اس پریشان خیالی سے بچنے کے لئے عام لوگ اب یہ کہتے ہیں کہ جب ان لوگوں کے پاس جب کوئی متفقہ طریق کار اور دستور العمل ہی نہیں تو اس پریشانی میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

راقم الحروف دین اسلام میں گہرا اعتقاد رکھتا ہے۔ اور علمائے کرام کا معتقد اور پیرو ہے۔ لہذا ان باتوں کو تنقیص یا بد خیالی پر محمول نہ کیا جائے۔ یہ باتیں عام تعلیم یافتہ طبقے کے علاوہ بے علم ان پڑھ طبقے میں بھی پھیل چکی ہیں۔ اور اس قابل ہیں کہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور ہو تاکہ لوگوں کی بے یقینی اور ان کا ضعف اعتقاد دور ہو۔

یہ درست ہے کہ ہمارے قدیم دینی ادب میں اختلاف فقہا اپنی ایک مصلحت رکھتا تھا۔ اور مصلحت یہ تھی کہ دین حق کی آخری حد تک یہ جستجو کی جائے کہ خدا اور خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منشاء اس باب میں کیا تھا ــــ یہ سچائی اور حق کی تلاش تھی اور مضائقہ اس میں اس لئے نہ تھا کہ امت مسلمہ پر اس کا برا اثر نہ پڑتا تھا۔ اور کسی کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ تھا کوئی مسلم جو مسلک بھی اختیار کرے بہرحال دین سے اس کا تمسک غیر متزلزل تھا۔

مگر اب صورت حال بدل چکی ہے اب طوفان مغرب عقائد کی عمارت کو ڈھما چکا ہے ــــ دنیاداری غالب آ چکی ہے۔ اور یورپ کی مادہ پرور سائنس نے شکوک کے مینار کھڑے کر دیتے ہیں۔ ایسے میں مابہ الاختلاف کی بجائے مابہ الاشتراک پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ علماء کے سامنے اس ملک میں بہت سے اہم مسائل ہیں۔ ان کی خاطر علماء کا آپس میں اتحاد ــــ اور ہر بڑے مسئلے کے بارے میں علم دینی متفقہ یا مفاہمتی دستور العمل تیار ہونا چاہئے۔ تاکہ عام لوگوں کو اس کے قبول کرنے

یا اختیار کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

علمائے کرام اچھی طرح باخبر ہیں کہ اس وقت اسلام کے سامنے دو عظیم خطرے ہیں، ایک ہے مغرب کے افکار اور طرزِ معاشرت کا خطرہ اور دوسرا خطرہ ہے۔ اشتراکیت (کمیونزم سوشلزم وغیرہ) یہ دونوں فتنے قادیانی فتنے سے کچھ کم خطرناک نہیں۔

اب جبکہ علماء اپنی قوت سے باخبر ہو چکے ہیں، اور یہ بھی جان چکے ہیں کہ ان کی اصل طاقت اتحاد میں ہے۔ ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا دونوں فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آپس میں متحد ہو جائیں۔

ہمارے ملک کے بہت سے علماء ان مغربی فتنوں کی مضرت کو اس لئے کم اور معمولی سمجھتے ہیں کہ ان کے پیچیدہ نظامِ عقائد سے باخبر نہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان مغربی عقیدوں کے ہر ہر پیچ میں کتنے کتنے خطرناک سومنات آباد ہیں تو انہیں خوب احساس ہو کہ ان کا مقابلہ کرنا کتنا ضروری ہے۔ بلکہ فرضِ عین ہے۔

لہٰذا علمائے کرام پر واجب ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچائیں اور پھر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو جائیں۔ بے خبری کی صورت میں ان خطرناک فلسفوں اور عقیدوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

قادیانی فیصلے کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں میں تین چار قسم کے مغالطے بڑی کثرت اور شدت کے ساتھ پھیل رہے ہیں یا پھیلائے جا رہے ہیں۔ ایک خیال یہ پھیل رہا ہے کہ قادیانیوں کے بعد اب شیعہ اور دوسرے چھوٹے فرقوں کی باری آئے گی۔ دینی طور سے بھی اور سیاسی طور سے بھی ایک مغالطہ یہ بھی پھیل رہا ہے کہ غیر اسلامی ملکوں میں تھوڑا بہت اسلام کا نام قادیانیوں کے ذریعے اور ان کے توسط سے چرچا ہو رہا تھا۔

اس فیصلے کے بعد جب تک ان ملکوں میں کوئی متبادل نظام (ہماری تبلیغ کے) موجود نہ ہوں گے اس وقت تک اس قسم کا چرچا اب نہ رہے گا ــــ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علما اپنے موجودہ اکتسابات کے ساتھ ان ممالک میں تبلیغ کی اہلیت نہیں رکھتے ــــ اور غیر قادیانی تعلیم یافتہ طبقہ اتنا بے حس ہے کہ اسے دین کے معاملات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ــــ لہٰذا خیال یہ پھیلایا جا رہا ہے کہ اس سے آخر کار اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

میری رائے میں یہ مغالطہ ہے۔ لیکن علماء کے لئے بہرحال یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے۔ اور فوری توجہ

کے قابل ہے۔

ایک خیال یہ بھی پھیلایا جارہا ہے۔ کہ مسلمانوں کا حقیقی طرزِ معاشرت قادیانی گھرانوں میں ہے۔ ورنہ عام تعلیم یافتہ مسلمان تو اس معاشرت سے بیزار ہی نظر آتے ہیں، تعلیم یافتہ (غیر قادیانی) نوجوانوں میں، پردہ داری، حیاداری، جمعہ اور جماعت کی پابندی بلکہ خود نماز کا التزام، قرآن مجید سے تعلق (محض خواندگی وغیرہ کی حد تک بھی) اب بالکل مفقود ہے۔

سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی معاشرتی طریقوں کا پابند قادیانی، غیر پابند غیر قادیانی تعلیم یافتہ لوگوں پر غیر ممالک میں (بلکہ خود اپنے ملک میں بھی) کیا زیادہ با اثر نہ ہوگا۔ اسلام کے بنیادی مزاج سے مختلف ہے۔ جب مقصد اسلام ہے۔ تو اسلام ہی کا نام کیوں نہ لیا جائے۔ اسلام کے راستے سے اور اس کے ذریعے ہر مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اس خیال کی تبلیغ کے لئے زبردست تنظیم درکار ہے۔

دوسرا مسئلہ معاشی و معاشرتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ علماء محض عقیدے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ معاشی و معاشرتی حصہ غائب ہو جاتا ہے۔ آج کے معاشی ذہن کو مدنظر رکھ کر معاشی عدل و انصاف کے حق میں اور معاشی برائیوں کے خلاف واضح پروگرام بنا کر پُر زور کام کرنا چاہئے ورنہ مخالف یہ مغالطہ پیدا کر دیتے ہیں کہ علماء معاشی انصاف اور غرباء کے مفادات کے مخالف ہیں۔

معاشرتی طور پر، فحاشی و عریانی اور مغربیت کے خلاف منظم کام کی ضرورت ہے۔ معاشرت ہی سے کسی نظام مذہب کے خارجی فروغ و غلبہ کا پتہ چلتا ہے۔ سینما کے فحش اشتہارات سے اسکی ابتداء کی جاسکتی ہے۔

دینی تعلیم کے نصابات اور نصب العین پر دوبارہ غور ہونا چاہئے۔ فی الحال وہ دینی لحاظ سے مکمل مگر تبلیغی لحاظ سے غیر مکمل ہیں۔ ممالک غیر میں، اسلام کی تبلیغ کے لئے علماء کو (نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر) کام کرنا چاہئے۔

تطہیر نفس و تزکیہ قلوب کے پرانے نظام کو زندہ کرنا چاہئے تاکہ افراد حرص و ہوا سے پاک ہو سکیں۔ قلیتی فیصلے کے بعد اس پر نظر رکھی جائے کہ کوئی فرقہ حکومت کی رواداری یا کمزوری سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ علماء خود کو اس طرح آمادہ کریں کہ کسی سیاسی مفاد کے آلہ کار نہ بن سکیں۔

والسلام ــــــــ

مولانا ظفر احمد انصاری صاحب ایم این اے کراچی

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کا ایک گرامی نامہ پہلے ملا تھا۔ دوسرا یہ مدول ملا۔ جواب میں بوجوہ تاخیر ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

جہاں تک قادیانی مسئلے کے حل کے متعلق میرے "تاثرات اور احتیاطی تدابیر و اقدامات" کے بارے میں تجاویز کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ جن اکابر نے ارباب اقتدار سے گفت و شنید اور مفاہمت کے نتیجے میں یہ فارمولا تیار کیا وہی اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ اس کے مالہ وما علیہ پر روشنی ڈالیں اور آئندہ کے لئے تدابیر و اقدامات بھی تجویز فرمائیں۔ فارمولے میں درج شدہ دفعات جس حد تک عملاً مؤثر ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ واضح ہو جائے گا۔ میرا اس مرحلے پر کچھ عرض کرنا بے محل معلوم ہوتا ہے بلکہ سکوت ہی انسب نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا اکوڑہ خٹک میں تشریف رکھتے ہوں تو میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔

(۳ر نومبر ۷۴ء)

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی پاکستان

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا عنایت نامہ ملا جس میں آپ نے قادیانی مسئلے سے متعلق چند سوالات دریافت کئے ہیں۔ آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ قادیانی مسئلے کے حل پر آپ کے احساسات کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مسئلے کے حل سے آپ کی مراد قومی اسمبلی کا فیصلہ ہے۔ بلاشبہ اسمبلی اور حکومت کا یہ فیصلہ نہایت مستحسن اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے مسرت انگیز ہے۔ اور اس پر ہم جتنی بھی خوشی منائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں بالکل بجا ہوگا۔ لیکن ہماری حکومت، قومی اسمبلی اور عامۃ المسلمین کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ اس سلسلے میں ان کی ذمہ داری اب ختم ہو چکی ہے اور اس فیصلے سے قادیانی مسئلہ پورے کا پورا حل ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف پہلا قدم ہے جو صحیح سمت میں اٹھایا گیا ہے۔ اور ابھی تک بہت سے ضروری اقدامات ایسے باقی ہیں جن کے بغیر یہ قضیہ جوں کا توں باقی رہے گا۔ بلکہ خدشہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ مزید پیچیدگیاں نہ پیدا ہو جائیں اور ہم اس اہم فیصلے کے فوائد سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ کا ایک عنایت نامہ پہلے آ چکا تھا، اب یاد دہانی اور تقاضے کا دوسرا خط آیا ہے جس میں آپ نے جلد جواب مانگا ہے۔ چند ضروری

کرنے کے کام جو اس وقت ذہن میں آرہے ہیں وہ درج ذیل ہیں :-

۱- ۷ ستمبر کو قومی اسمبلی نے آئینی ترمیم کے علاوہ ایک قرار داد یہ بھی منظور کی ہے کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ الف کے بعد دفعہ ب کا اضافہ کیا جائے جس میں درج ہو کہ :

"ایک مسلمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مفہوم مندرجہ آئین پاکستان دفعہ ۲۶۰ شق نمبر ۳ کے خلاف عقیدے کا اعلان یا اس کے خلاف عمل یا تبلیغ کرے وہ قابل سزا و تعزیر ہوگا۔"

یہ قرار داد غالباً عجلت میں مرتب اور پاس کر دی گئی ہے اور اس کی ابتدا میں "مسلمان" کا لفظ رکھنے کی وجہ سے اس میں ابہام و اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس جرم شنیع کا مرتکب ہوگا اور مرتکب ہونے کے بعد وہ مسلمان کہلانے کا مستحق رہ سکے گا۔ خود دستوری ترمیم ہی نے یہ طے کر دیا ہے کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگا خواہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ چنانچہ ان الفاظ کے ساتھ اس سزا کے اطلاق میں دشواری کا سامنا ہوگا۔ لہذا تعزیرات پاکستان میں اس مجوزہ ترمیم کو واضح اور غیر مبہم بنانے اور اس کے مقصد تنفیذ کو آسان بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا آغاز ایک مسلمان (A MUSLIM) کی بجائے ایک مدعی اسلام (A PERSON [illegible]) سے کیا جائے تاکہ کوئی فرد بشر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے (TO BE A MUSLIM) ختم نبوت کے مسلمہ عقیدہ و مفہوم کے خلاف کسی قول و عمل کا اظہار نہ کر سکے۔

۲- نیشنل اسمبلی کے فیصلے پر عملدرآمد کے لئے کچھ مزید قانون سازی بھی بالکل ناگزیر ہے۔ مثال کے طور پر انتخابی قوانین میں ایسی ترمیم ہونی چاہئے جن کے مطابق ووٹروں کے فارم میں نام درج کراتے وقت ہر لاہوری اور ربوی مرزائی پر یہ قانوناً لازم قرار دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلموں کے خانے میں مرزائی یا احمدی لکھوائے اور ان دونوں گروہوں کا اپنے آپ کو مسلم لکھوانا جرم ہوگا جس کی کم سے کم سزا اس واسطے ووٹ سے محرومی ہوگی۔ جسٹریشن ایکٹ جن کے تحت شناختی کارڈ بن رہے ہیں ان میں بھی ترمیم ہونی چاہئے جس کی رو سے کارڈ میں بھی ایسی تصریح لازم اور غلط بیانی موجب سزا ہو۔

۳- اسی طرح ہر ملازم حکومت پر بھی یہ لازم ہونا چاہئے کہ اگر وہ قادیانیوں کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا ہے تو وہ اس کی باقاعدہ اطلاع اپنے محکمہ کے توسط سے حکومت کو دے اور جو ایسا نہ کرے یا غلط اطلاع دے اسے ملازمت کے لئے نااہل قرار دیا جائے۔ پاسپورٹ میں بھی اسی قسم کا اندراج اور اس کی خلاف ورزی پر سزا از روئے قانون لازم ہونی چاہئے۔ معلوم ہوا ہے کہ

حکومت کے بعض محکموں میں قادیانیوں کی فہرستیں تیار ہو رہی ہیں لیکن ان میں بعض قادیانیوں کا نام درج نہیں ہو رہا یا اندراج ہو جانے کے بعد اسے حذف کرا دیا گیا ہے۔ لیکن اس پر کسی قادیانی کے خلاف کوئی باز پرس یا تادیبی کارروائی نہیں ہو رہی کیونکہ قانون اور قواعد و ضوابط میں ایسی گنجائش موجود نہیں ہے۔

۴۔ قادیانیوں نے سول اور بالخصوص فوجی ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق پر جس طرح غاصبانہ اور ناروا قبضہ کر رکھا ہے، اس کا تدارک اور تلافی بھی ضروری ہے۔ جس طرح صدارت اور وزارت عظمیٰ کے لئے مسلمان ہونا شرط لازم ہے اسی طرح بعض دوسرے کلیدی مناصب مثلاً چیفس آف دی سٹاف، عدالت ہائے عالیہ کے چیف جسٹس، اسمبلیوں کے اسپیکر، سفراء صوبوں کے گورنر، پبلک سروس کمیشن کے صدر کے لئے بھی مسلمان ہونا قانوناً لازم قرار دیا جائے۔ اسی طرح بعض حکومتی اور نیم حکومتی تعلیم و تربیت کے اداروں میں داخلے کے لئے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا کوٹہ الگ الگ مقرر کیا جاتا ہے۔ وہاں بھی قادیانی امیدواروں کے لئے اپنے مذہب کا اعلان داخلے کے وقت لازم اور خلاف ورزی موجب سزا ہونی چاہیئے۔

۵۔ قادیانی یہ بات علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ قومی اسمبلی کے فیصلے کے باوجود وہ مسلمان ہیں، وہ اسلام کے نام پر اپنے عقائد کو اسلامی عقائد کہہ کر ملک کے اندر اور باہر برابر ان کی تبلیغ و تلقین کر رہے ہیں۔ مرزا غلام احمد کو وہ اب تک نبی، مسیح موعود، مہدی معہود، اس کے رفقاء کو صحابہ کرام اور اس کے خلیفہ کو خلیفۃ المسیح کہہ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ یہ مسئلہ بڑا سنگین اور حکومت اور عامۃ المسلمین کے لئے حد درجہ غور طلب ہے۔ یہ دستور کی بھی خلاف ورزی ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے باعث دل آزاری و اشتعال انگیزی بھی ہے۔ جس گروہ کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جا چکا ہے۔ اسے اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے اور اسلام کا مدعی و مبلغ ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگر یہ لوگ اسی طرح مسلمانوں کے سینے پر مونگ دلتے رہے تو ان کے اور مسلمانوں کے مابین کبھی صلح و آشتی کی فضا قائم نہیں رہ سکے گی اور حکمران ان کی حرکتوں سے کتنا ہی اغماض کیوں نہ برتیں جب تک عامۃ المسلمین میں ایمان و اسلام کی رمق باقی ہے وہ ایسی سرگرمیوں کو کبھی برداشت نہیں کر سکیں گے۔

۶۔ قادیانیوں کے بالمقابل مسلمانوں نے جس اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا ہے، اسے دائماً قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جزوی اختلافات اگر ہوں تو انہیں مناسب حدود کے اندر رہنا چاہیئے اور ان کے اظہار کا طریقہ علمی اور سنجیدہ ہونا چاہیئے۔ اختلاف کو مخالفت کا رنگ دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور نہ اختلاف کو حق و باطل اور کفر و اسلام کا اختلاف نہیں بنا لینا چاہیئے۔ ورنہ اس کا فائدہ

قادیانیوں ہی کو پہنچے گا، جیسا کہ پہلے پہنچتا رہا ہے۔

۷۔ قادیانیوں کی دستوری تکفیر کے بعد ایک ضروری کرنے کا کام یہ بھی ہے کہ قادیانیوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے اسلوب و انداز میں قادیانیت سے تائب ہونے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں قادیانیوں کی قیادت و سیادت ہے اور جن کے مفادات ان قائدین سے وابستہ ہیں، ممکن ہے کہ وہ اسلام لانے میں تامل و تذبذب سے کام لیں اور پاکستان چھوڑ جانے کو ترجیح دیں، لیکن عام قادیانی جو قصر خلافت کے قریب نہیں بلکہ مسلمانوں کی عام آبادیوں میں مقیم ہیں۔ ان کے سامنے اگر اسلام کی اصل تعلیمات کو صحیح طریق پر پیش کیا جائے اور قادیانیت کے حقیقی خدوخال بھی ان پر اچھی طرح واضح کئے جائیں تو وہ انشاء اللہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے میں توقف اور پس و پیش نہیں کریں گے۔ ان میں بہت سے لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں جو مرزا غلام احمد اور اس کے لڑکوں کی بہت سی تحریروں سے واقف ہی نہیں ہیں اور جب ان کے سامنے پہلی مرتبہ وہ تحریریں آئیں تو وہ حیران اور دم بخود ہو کر رہ گئے اور قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔

۸۔ اس سلسلے میں ہمارا ایک مطالبہ یہ بھی مسلسل ہونا چاہیے کہ صمدانی رپورٹ کو من وعن شائع کیا جائے اور جو لوگ اس رپورٹ کی رو سے مجرم ہیں ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ نیز جو مزید سیاسی و انتظامی اقدامات اس رپورٹ کی روشنی میں ناگزیر ہوں، ان کو فوراً عمل میں لایا جائے۔ اگر ہماری حکومت اور عوام الناس نے غفلت و تساہل سے کام لیا تو خدشہ ہے کہ اس سازشی گروہ کے ہاتھوں ہمیں مزید زخم نہ کھانے پڑیں۔

لا قدر اللہ۔ (۸ر نومبر ۱۹۷۴ء)

حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کراچی

مکرم و محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ ملفوفہ مجھے بعد از رمضان مل گیا تھا۔ آج کارڈ بھی موصول ہوا۔ جواب میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ میں علیل ہو گیا تھا۔ اور اب بھی قلب کی تکلیف باقی ہے جس کی وجہ سے بہت سے کام ملتوی کرنے پڑے۔ آج سے تھوڑا تھوڑا کام شروع کر دیا ہے۔ جوابات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ قادیانیوں کا کافر ہونا تو مسلمات میں سے ہے، حکومت تسلیم کرتی یا نہ کرتی امت مسلمہ انہیں کافر ہی سمجھتی۔ اس اعتبار سے حکومت کے اس رویئے کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ تاہم اسکی خواہش ہے کہ حکومت نے حقیقت کا اعتراف کر لیا۔ اور قادیانی سیاسی اعتبار سے بھی کافر سمجھے جانے لگے۔ مزید مسرت اسکی ہے

کہ اب تقریباً پوری دنیائے اسلام انہیں کافر سمجھنے پر متفق ہو گئی۔ اظہار مسرت کے بعد یہ بھی عرض کر دوں کہ میری خوشی محدود ہے۔ یعنی میں اتنی مسرت نہیں محسوس کرتا جتنی عام طور پر لوگ محسوس کرتے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ میں صرف اس اقدام کو مسئلہ قادیانیت کا حل نہیں سمجھتا۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ قادیانیت کی وجہ سے جو دینی و دنیاوی نقصانات امت مسلمہ کو پہنچ رہے ہیں ان سے حفاظت ہو۔ اسکی شکل یہی ہے کہ سیاسی اعتبار سے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو کسی غیر مسلم اقلیت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ انہیں ملازمتوں وغیرہ میں انکی آبادی کے تناسب سے جگہ دی جائے۔ کلیدی عہدوں پر ان کا تقرر نہ کیا جائے۔ باطل کی اشاعت اور ناواقف مسلمانوں کو مبتلائے فریب کرنے سے انہیں روکا جائے۔ ربوہ کو مرکز بنا کر جو انہوں نے سلطنت در سلطنت قائم کر رکھی ہے۔ اس صورت حال کو کلیۃً ختم کیا جائے۔ ربوہ کو بھی اس طرح کا شہر سمجھا جائے جیسے پاکستان کے دوسرے شہر ہیں۔ جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کہ مسئلہ قادیانیت حل ہو گیا۔؟ اور ہمیں کامل مسرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ مجلس عمل میں شیعوں کو شامل کرنا شدید غلطی تھی جس سے شدید دینی و سیاسی نقصانات پہنچے اور آئندہ بھی پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔ ان نقصانات پر نظر کرنے اور نفع و نقصان کا مقابلہ کرنے کے بعد خوشی کی مقدار اور بھی کم ہو جاتی ہے۔

۲۔ قادیانیت کے اثرات پوری دنیا میں پھیل تو نہیں سکے مگر تقریباً پوری دنیا میں پہنچ چکے ہیں یہ اثرات دو قسم کے ہیں۔ ایک تو خود کامل قادیانیت۔ اس کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہے اگرچہ قادیانی اسکی وسعت کا پروپیگنڈہ بہت کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا اثر ہے تشکیک اور دین و اہل دین پر بے اعتمادی پیدا ہو جانا عقائد، خصوصاً عقیدۂ نزول مسیحؑ اور عقیدہ ختم نبوت میں کمزوری اور ضعف پیدا ہو جانا۔ اس اثر کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہے۔ حالانکہ اس فتنہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور پوری دنیا میں شاید ہی کوئی مقام ایسا ہو جہاں یہ فتنہ نہ پہنچا ہو۔ اسے پھیلانے میں قادیانی اور شیعہ دونوں شریک و سہیم ہیں۔ بلکہ شیعوں کا حصہ قادیانیوں سے زائد ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں کی سرپرستی کی وجہ سے فتنہ قادیانیت کے سیاسی اثرات بھی نمایاں طور پر پھیل چکے ہیں۔ خود ہمارا ملک اس کا ایک نمونہ ہے۔ افریقہ کی نوزائیدہ حکومتوں میں بھی ان کا خاص اثر ہے۔

۳۔ جب تک فتنہ موجود ہے۔ اسوقت تک ذمہ داری کیسے ختم ہو سکتی ہے۔؟ بلکہ اب تو اور زیادہ ہوشیاری اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے۔ کہیں عامۃ المسلمین اپنی ذمہ داری ختم سمجھ کر غافل نہ ہو جائیں۔ اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر قادیانی نئی نسل میں گمراہی نہ پھیلا دیں۔ قادیانی اقلیت کو تحفظ ضرور حاصل ہونا چاہیے۔ ان کی جان و آبرو اور مال بالکل محفوظ رہنا چاہیے۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے کی آزادی یا اپنے جائز حقوق سے تجاوز کی اجازت دیدی جائے۔

۴۔ جب تک فتنہ دنیا میں موجود ہے۔ اس وقت تک اس کا مقابلہ اور اس کے اثرات کو مٹانے کی کوشش جاری رکھنا لازم ہے۔

۵۔ طریق کار ظاہر ہے کہ خود انہیں دین حق کی دعوت دی جائے۔ مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ کرکے اس کے اثرات سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے لئے رد قادیانیت اور استحکام عقائد اہل سنت پر مناسب لٹریچر کے ساتھ مجالس وعظ و تذکیر کا انتظام بھی ہونا چاہئے۔ بہت اہم، موثر اور ضروری چیز یہ ہے کہ عوام میں ایسے افراد تیار کئے جائیں جو ان میں گھل مل کر قادیانیت کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ان کے ذہن نشین کرسکیں۔ یہی لوگ لٹریچر کے لئے بھی میدان پیدا کریں گے۔ اور وعظ و تذکیر کے لئے بھی فضا تیار کریں گے۔ یہ وہ طریقہ کار ہے جس کی طرف عام طور پر ہمارے رہنما متوجہ نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ ہمارا لٹریچر داعیانہ ہونا چاہئے جس میں قوت استدلال کے ساتھ دعوتی نفسیات سے بھی کام لیا جائے۔

(۱۷ شوال ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی۔ اسلامیہ کالج پشاور

الحمد للہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ۔

محترمی و مکرمی۔ زید مجدکم و جہادکم فی سبیل اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قادیانی مسئلہ کے موجودہ حل کے بارے میں چند استفسارات پر مشتمل نامہ سامی باعث سعادت و میمنت ہوا گو فقیر اس کا اہل نہیں لیکن حضور انور فخر الانبیاء خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت اور ناموس رسالت کے بارے میں چند الفاظ نجات و سعادت کا ذریعہ بن سکیں تو زہے قسمت۔

۱۔ ختم نبوت ایک مسلمہ اور متفقہ عقیدہ ہے کہ توحید کے بعد اسلام کی بنیاد ہی اس عقیدہ کی بے غل و غش واضح تعبیر پر مبنی ہے۔ حضور انور (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کمالات و مزایا کسی نہ کسی صورت میں "ختم نبوت" ہی کا ثمرہ ہیں۔ آپ کی رحمۃ للعالمین شان "عمومی بعثت"، دائمی رسالت، آپ کی امت کی بعثت و خیر الامم ہونا، قرآنی احکام کے دوام وغیرہ سب "ختم نبوت" ہی کے نتائج و مظاہر ہیں۔ امت مسلمہ کا شیرازہ ختم نبوت کی رسی سے بندھا ہوا ہے۔ امتیں "نبی" سے منتج ہیں۔ اور یہ لافانی و جاودانی امت ختم نبوت ہی کی برکت سے زندہ، قائم اور استوار ہے۔ اس لئے ہر دور و ہر زمانے میں امت کے ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر نے اس عقیدہ کو اسلام کی روح و جان سمجھا اور ناموس ختم نبوت کے لئے اپنا سب

کچھ نثار کرنے میں اپنی فوز و کامرانی جانی۔ اور اگر کسی روسیاہ و کم بخت نے حریم نبوت میں قدم رکھنے کی جسارت کی تو اسے فوراً ختم کرکے رکھ دیا گیا اور امت نے کسی دور میں ختم نبوت سے بغاوت اور اس ابلیسی سازش کو برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ میرے آقا سید دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے سے پیشتر ہی جب چند طالع آزماؤں نے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی کی صورت میں اپنے خبث باطن کا اظہار کیا۔ تو دریائے نبوت نے ان کے انجام کی بجز ایک پھونک سے ختم ہوتے ہوئے ارشاد فرمادی۔۔۔۔۔۔

دور صدیقی میں امت اور صحابہؓ کا پہلا اجماع اور عملی اقدام ان متنبئین سے قتال پر تھا، اسی طرح جس دور میں بھی کسی کو یہ منحوس خبط سوار ہوا امت نے اسے ختم کرکے رکھ دیا۔ یہ اس دور کی کم نصیبی، ہماری شامت اعمال، انگریزی استعمار و سیاست کا انتہائی دجل و فریب تھا کہ مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکی امت کو اسلامی معاشرت میں پنپنے اور باقی رہنے کی اتنی طویل مدت میسر آگئی۔ امت میں ابلیس کے مبعوثہ متنبئین میں جس طرح انگریزی استعمار کا یہ "خود کاشتہ پودا" پیدا ہوا اور پروان چڑھا اور اسپنے لٹریچر و دعوت کو پھیلاتا رہا۔ تاریخ اسلامی میں کا ایک اندوہناک باب ہے۔ کہ مرزا صاحب کی مشئومہ نبوت کے دعویٰ کے پہلے دن ہی سے امت کے خواص و عوام اس "شجر خبیثہ" کے مہلک اثرات کو بھانپ گئے تھے۔ اور اس کے دفاع و قلع قمع کی کوشش شروع ہوگئی تھی لیکن مرزا صاحب اور قادیانی امت نے انگریز و استعماری طاقتوں کے زیر سایہ اور ان کے ایجنٹ کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کیلئے ناسور اور اکاس بیل PERASITE کی صورت اختیار کر لی۔ ہر کو چک سے انگریز کے اخراج کے بعد ہمارے بعض رہنماؤں کی کم حوصلگی اور کوتاہ بینی نے پاکستان میں ان کے لئے ایسے مواقع فراہم کر دیئے تھے۔ کہ قادیانی جو ایک انتہائی قلیل و حقیر اقلیت ہے۔ ہر سپید و سیاہ کی مالک بنی جا رہی تھی۔ اور اپنے کفر کا اعلان کھلم کھلا کرنے لگی تھی، یکایک غیرت حق جوش میں آئی۔ ربوہ کا سانحہ پیش آگیا۔ جو حقیقت میں قادیانی سیاست و سازش کا نہایت ہی سنگین و اچھوتا اقدام تھا۔ جو اکثریت کے جذبات و حالات معلوم کرنے کیلئے FELIER کی حیثیت سے آزمایا گیا تھا۔ لیکن چاہ کن را چاہ درپیش۔ وہی ان کی سکرات کا سبب ٹھہرا۔ نیز سوات میں (۲۰ مئی سے یکم جون ۱۹۷۴ء تک) حضرت الاستاذ علامہ سید محمد یوسف صاحب البنوری مدظلہ العالی کا ہم سفر تھا۔ غالباً ۳۰ ، ۳۱ مئی تھی ہم منگورہ میں کار سے گذر رہے تھے کہ بندہ نے اخبار خریدا جس میں ربوہ کے خونچکاں سانحہ اور طلبہ پر قادیانیوں کے حملہ کا ذکر تھا۔ بندہ نے علامہ بنوری مدظلہ کو خبر پڑھ کر سنائی۔ حضرت موصوف گہری سوچ و فکر میں پڑ گئے۔ رد عمل پوچھا

توکچھ توقف کے بعد فرمایا۔ ع۔ خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ ہم متحد نہیں ہو رہے تھے ممکن ہے یہ واقعہ ہمیں (مسلمانوں کو) متفق کر دے اور اس فتنہ کا سدِ باب ہو سکے۔ سچ ہے۔ ع ——
قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔

سات ستمبر ۱۹۷۴ء کو ۳ ماہ ۱۰ دن کے بعد رحمت حق متوجہ ہوئی اور میرے قدیر رب کی قدرت نے اندرونی اور بیرونی قوتوں، قادیانیوں کے یقین اور پیش گوئیوں کے علی الرغم اپنے محبوب اور پیارے رسول خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے لازوال تاج پہ دشمنوں کی گرد اڑانے کی نامسعود کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ اور مسلمانوں کی متحدہ کوششوں اور قربانیوں کو شرف قبول سے نواز کر پاکستان کی قومی اسمبلی کو توفیق بخشی کہ وہ ایک مسلمہ سچائی اور حقیقت ثابتہ کو قانون کی صورت دے کر عند اللہ وعند الناس سرخرو ہو ——۔

مبارک ہیں وہ حضرات جنہوں نے یہ قرارداد پیش کی اور خوش بخت ہیں وہ ممبران اسمبلی جنہوں نے اسے من وعن قبول کر کے اسے قانون کی صورت بخشی، قابل ستائش وصد آفریں ہیں وہ جملہ افراد وطبقات جنہوں نے اسمبلی کے باہر ہر قسم کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کر کے اس مسئلہ سے انکار کی گنجائش کو ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بے شمار اور لا متناہی رحمتیں بھیجے ان شہداء کی روحوں پر جنہوں نے ناموس رسالت کے تحفظ میں حیات جاودانی پائی اور باری تعالیٰ ان جملہ علماء ومشائخ اور مجاہدین کی قبروں کو اپنے نور سے منور کرے جو قادیانی فتنہ کی ابتداء سے اس لعنت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اگر اس قادیانی مسئلہ کے اس قومی حل پر اس کے مضمرات ومقتضیات کی روشنی میں دیانتداری واخلاص سے عمل کیا جائے اور اس کو عملاً روبکار لایا جائے تو یہ حل مسلمانوں کی توقعات کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ حل ہنوز ایک آئینی فیصلہ وتدبیر ہے۔ قانون کتنا اچھا اور درست ہو جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اس کے ثمرات سے متمتع نہیں ہوا جا سکتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ موجودہ فیصلہ کو الفاظ ومعنی اور اسکی آئینی روح کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے اور اس ضمن میں حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ کم از کم مندرجہ ذیل باتوں پہ فوری عمل درآمد کیا جائے۔

۱۔ پاکستان کی نظریاتی مسلم مملکت کے جملہ اہم عہدوں سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔

۲۔ سرکاری ملازمتوں میں ان کا کوٹہ انکی آبادی کے مطابق مقرر کیا جائے اور گذشتہ ۲۷ سال میں انہوں نے جس قدر ملازمتوں پہ اپنے حصہ رسدی سے زیادہ مسلمانوں کے حق پہ قبضہ کر رکھا ہے۔ جب تک اس کے حصہ رسدی کے مطابق نہیں ہو جاتا۔ ان کی مزید بھرتی روک دی جائے۔

۳۔ ربوہ کی مستقل حیثیت کو ختم کر کے اسے کھلا شہر عملاً بنا دیا جائے۔ اور وہاں عام مسلمانوں کو آباد کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

۴۔ فرقان رجمنٹ اور قادیانیوں کی فوجی اور نیم فوجی تنظیموں کو ختم کیا جائے۔

۵۔ ان کے لٹریچر کی ان جملہ کتابوں، رسائل اور عبارات کو ضبط کیا جائے اور ان کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے جن میں انبیاء علیہم السلام اور شعائر اسلام کی ہتک کی گئی ہے۔ یا قرآن کے الفاظ و معنی میں تحریف۔ یا ختم نبوت کی من مانی تشریح کی گئی ہو۔

۶۔ نیشنل اسمبلی کی قادیانی مسئلہ پر کارروائی کو منضبط کر کے شائع کیا جائے خصوصاً اسمبلی کی قرارداد کا ضمیمہ ملت اسلامیہ کا موقف "کتاب" کو سرکاری طور پر عربی، انگریزی اور اردو میں شائع کر کے منیر رپورٹ کی طرح تمام دنیا میں پھیلایا جائے اور سفارت خانوں میں ان کی نقول بھیجی جائیں تاکہ فیصلہ کی حقانیت عالم پر ظاہر ہو۔

۷۔ قادیانیوں کا اندراج مردم شماری شناختی کارڈوں، پاسپورٹوں، ملازمت اور دیگر جملہ سرکاری کاغذات میں ہمارے مذہب کا خانہ ہو غیر مسلم کی حیثیت سے کیا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں وہ غلط بیانی سے کام لیں اور بعد میں اس کا غلط ہونا معلوم ہو تو اسے قابل سزا جرم قرار دیا جائے۔ جو پاسپورٹ کی دائمی منسوخی ملازمت وغیرہ سے اخراج وغیرہ کی صورت میں ہو۔

۸۔ قادیانیوں کو مسلمانوں کی مسلمہ شرعی اور دینی اصطلاحات کے استعمال کرنے سے روک دیا جائے۔ ان کی عبادت گاہوں کو مسجد کی بجائے قادیانی معبد یا کسی اور نام سے پکارا جائے اسی طرح ان کے ذبیحہ اور شادی بیاہ وغیرہ اور جملہ اسلامی احکام جو کفار کے بارے میں ہیں ان پر نافذ کئے جائیں ذمیوں کی حیثیت سے اگر وہ اپنے کو غیر مسلم اور وفادار شہری کی حیثیت سے رہنا چاہیں تو ان کے ان حقوق کی حفاظت کی جائے۔ جو شریعت اسلامیہ میں ذمیوں اور غیر مسلموں کیلئے طے کئے ہیں۔ اور اگر وہ اس حیثیت سے انکار کریں اور اپنے کو پہلے کی طرح مسلمان سمجھ کر مراعات حاصل کرنے اور انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ تو ان کا اقتصادی اور معاشرتی مقاطعہ کیا جائے۔

۹۔ دنیا میں باطل عموماً ملک، دولت کے سایہ میں یا زر، زن، زمین کے لالچ میں پھیلتا ہے۔ یا غلط فہمی اور دجل و فریب سادہ لوح اشخاص کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیتے۔ "قادیانیت" دجل و فریب کا مرقع، تحریف و تلبیس اور ابلہ فریبی اور دسیسہ کاری کا پلندہ ہے۔ جو انگریزی استعمار اور دنیاوی حرص و آز میں پیدا ہوئی۔ اور پھلی پھولی۔ ظاہر ہے کہ بہت سے دنیا پرست یا سادہ لوح دنیاوی محبت یا تحریف سے

دھوکہ میں آکر اس لعنت کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ ضرورت ہے کہ پوری جگر سوزی اور توجہ سے ان لوگوں کو دین خالص اور اصل اسلام کی دعوت دی جائے، اور پھر سے ان کو خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنی گذشتہ غلط زندگی سے تائب ہو کر تلافی مافات کر سکیں۔ اندرون ملک کے علاوہ غیر ممالک خصوصاً افریقہ، یورپ و امریکہ کے ممالک میں جو سادہ لوح "قادیانیت" کو اسلام سمجھ کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ انہیں صحیح اسلام سے روشناس کرانا اور اس فریب اور مغالطہ سے نکالنا ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے۔ اس سلسلے میں وفود، لٹریچر، حکومتی اور عوام سطح پر جملہ تدابیر کو بروئے کار لایا جائے۔ اس بارے میں سفارتخانوں سے قادیانی عملہ کی تبدیلی ایک خوش آئند عمل ہو گا۔

خیر یہ تو سادہ لوح، گم کردہ راہ قادیانیوں کی بات ہے۔ لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے۔ جو ہٹ دھرم اور اپنے غلط عقائد پر رہتے ہوئے اپنے کو "مسلمان" سمجھنے اور سمجھانے پر مصر ہے۔ اس نے قومی اسمبلی کے فیصلہ کو دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کیطرح موقع کی تاک میں ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے پاکستان خصوصاً اور مسلمان عموماً امن میں نہیں ہیں۔ ملت کو ان سے وہی خطرات ہیں جو کسی زمانے میں مسلمانوں کو ابن صبا اور باطنیوں سے ہو سکتے تھے۔ قومی اسمبلی اور مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلہ پر جناب ناصر احمد صاحب اور ان کی امت سخت مضطرب ہے۔ اپنے ۱۷ ر اکتوبر کے خطبہ جمعہ میں مرزا صاحب نے کہہ دیا ہے کہ قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلہ پر جنوری یا فروری سے پہلے کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔[1] نہ معلوم مرزا صاحب کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔ تاہم مرزا صاحب اور ان کی امت کی ذہنیت مرزا ناصر صاحب کے اس خطبہ جمعہ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ جو آزاد کشمیر اسمبلی کی غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پر کرتے ہوئے انہوں نے (نام نہاد) مسجد اقصیٰ ربوہ[2] میں دیا تھا۔ قادیانی ذہنیت کی عکاسی کیلئے اس پمفلٹ کے بعض اہم و چیدہ اقتباسات کو نقل کرتا ہوں۔ آزاد کشمیر کی قرارداد پر تذکرہ کرتے ہوئے ناصر احمد صاحب فرماتے ہیں :۔

ا۔ "یعنی یہ کوئی ایسا بل پاس نہیں ہوا کہ اقلیت قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ ایک سفارش ہے۔ جو آزاد کشمیر کی حکومت سے کی گئی ہے۔ کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ اور ان کی مذہبی

۱؎ نوائے وقت راولپنڈی ۱۶ ر اکتوبر ۷۴ ۱۹ء

۲؎ یہ خطبہ الفضل ۱۳ ر مئی ۷۳ ۱۹ء میں شائع ہوا پھر نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ نے "آزاد کشمیر اسمبلی کی ایک قرارداد پر تبصرہ از حضرت امام جماعت احمدیہ" کے عنوان سے علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

تبلیغ پر پابندی لگائی جائے۔ اور احمدی غیر مسلم اقلیت کی صورت میں نام رجسٹرڈ کروائیں چنانچہ میں نے آزاد کشمیر سے بعض ذمہ دار آدمیوں کو بلایا۔ اس وقت صحیح صورت حال سامنے نہیں آئی تھی۔ اگلے دن وہ میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا دیکھیں ایک بات میں آپ کو بنیادی ہدایت کے طور پر ابھی کہہ دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ قانون کی صورت میں منظور بھی ہو جائے تو قانون یہ کہتا ہے کہ ہر وہ احمدی جو خود کو غیر مسلم سمجھتا ہے۔ وہ اپنا نام رجسٹرڈ کروائے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ ہر احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے۔ اور خدائے علیم و خبیر کی نگاہ میں بھی مسلمان ہے۔ اس لئے اس پر یہ قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو آپ کو مسلمان سمجھتا ہے۔ وہ غیر مسلم کی حیثیت میں نام کیسے رجسٹرڈ کروائے گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ گویا جھوٹ بول رہا ہوگا۔ اور اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی" (پمفلٹ مذکورہ صلا)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قادیانی ذہنیت باوجود کفر صریح اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی بغاوت کے اپنے کو مسلمان کہنے اور کہلائے جانے پر باوجود قانون کے مصر رہے گی۔

۲۔ آگے چل کر دھمکی کے انداز میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"پس اگر دو یا بارہ آدمیوں نے اس قسم کی قرارداد پاس کر دی تو خدا کی قائم کردہ جماعت پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ یہ نہیں کہ جماعت احمدیہ غیر مسلم بن جائے گی۔ جس جماعت کو اللہ تعالیٰ مسلمان کہے اسے کوئی ناسمجھ انسان غیر مسلم قرار دے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اس لئے اس کا فکر نہیں۔ ہمیں فکر ہے تو اس بات کا کہ اگر یہ خرابی خدانخواستہ انتہا تک پہنچ گئی۔ تو اس قسم کے فتنہ فساد کے نتیجہ میں پاکستان قائم نہیں رہے گا۔ اس لئے ہماری دعائیں ہیں۔ ہماری کوششیں اور ہمارے اندر حب الوطنی کا یہ جذبہ موجزن کہ کسی قسم کا کوئی بھی فتنہ نہ اٹھے کہ جس سے خود پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ آخر فتنہ فساد یہی ہے ناکہ کچھ سر کٹیں گے۔ کچھ زخمی ہوں گے، کون ہوں گے۔ اور کیا ہوگا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" (صلا، صلا)

مندرجہ عبارت میں خصوصاً خط کشیدہ عبارات کے بین السطور میں جس قسم کی دھمکیاں عیاں ہیں وہ ہر سچے پاکستانی کیلئے لمحۂ فکریہ اور قادیانی سازشی ذہن کا عکاس ہے۔ جس سے ہر وقت چوکنا رہنا ضروری ہے۔ بلکہ آگے چل کر اس سے بھی واضح الفاظ میں تعلیل اور مقابلہ کی دعوت ہے۔

چنانچہ مرزا ناصر صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔ لیکن جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے۔ تم گیدڑ اپنی کھوہ سے باہر نکل آئے ہو اور سمجھتے ہو کہ تمہارے چیخنے چلانے سے جماعت احمدیہ کے افراد ڈر جائیں گے، نہیں ہرگز نہیں ڈریں گے۔ (صلا)

۔۔۔ آج ان لوگوں کو ہوش ۱۹۵۳ء کی آڑ میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں عاجزانہ طور پر

سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ کہ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ جماعت احمدیہ کے دہ لاکھوں بالغ افراد جو پاکستان کے باشندے ہیں۔ ان کو خدا کی راہ میں موت سے ایسا ہی پیار ہے۔ جیسا کہ ایک عاشق اپنے معشوق پر مستانہ وار قربان ہونے کو تیار کھڑا ہوتا ہے ------ پس جہاں ہمیں پیار سے لوگوں کے دل جیتنے کا حکم ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۔ (الحج - ۴۰) (ص۱۱)

" جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں ۔ ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

تم لومڑی کا لبادہ اوڑھ کر اور گیدڑ کا لباس پہن کر نکلتے ہو اور چیختے اور چنگھاڑتے ہو کہ ہم مرعوب ہو جائیں گے۔ ہمیں تو خدا تعالیٰ نے شیر کی جرأت سے بڑھ کر جرأت عطا فرمائی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے شیر کے رعب سے زیادہ رعب عطا فرمایا ہے۔ شیر کی دھاڑ سننے میلوں تک بزدل جانور کانپ اٹھتے ہیں۔ ہمیں تو یہ وعدہ دیا گیا۔ نصرت بالرعب مسیرۃ شھر۔ (ص۱۳)

------ ہم تو ساری دنیا سے نہیں ڈرتے۔ جب انگریز سمجھتا تھا کہ اس کی دولت مشترکہ پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ اس وقت اس نے احرار کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا۔ (یہ دلاور ست وزدے - ناقل) اسوقت بھی ہم نہیں ڈرے نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا۔ اب جبکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حالات بدل گئے ہیں۔ اور احمدیت پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ ہم نے خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشان دیکھ لئے اب ہم اللہ کے سوا کسی اور سے بھلا کیوں ڈریں گے ------ ہم انوار میں رہنے والے ظلمات میں چیخنے والے گیدڑوں (یعنی مسلمانوں۔ اشرف) سے بھلا کیسے ڈر سکتے ہیں۔ ص۱۳

" جماعت احمدیہ کو قربانیاں دینی پڑیں گی۔ بعض افراد کو شاید جان کی قربانی دینی پڑے بعض کو مال کی قربانی دینی پڑے یہ تو ضرور ہوگا۔ لیکن جس مقصد کے لئے جماعت کو پیدا کیا گیا ہے۔ اس مقصد میں انشاء اللہ ناکامی نہیں ہوگی۔"

مرزا ناصر احمد صاحب کی یہ پیشگوئیاں مرزا غلام احمد صاحب کی محمدی بیگم کی پیشگوئی کی طرح پوری ہوتی ہیں یا نہیں۔ لیکن ان تحریروں سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ مرزا ناصر صاحب کھلے بندوں "ھل من مبارز" اور جنگ اور مقابلہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ انہیں یہ ہرگز گوارا اور منظور نہیں کہ ان کے کفر کو کفر کہا جائے۔ اور ان کے اسلام سے اخراج و بغاوت کا کھلے بندوں اظہار کیا جائے اور جن دنیاوی مصلحتوں، طالع آزما، مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں اور غیر ملکی استعمار کا ایجنٹ بننے کے لئے انہوں نے منافقین کی طرح نام نہاد اسلام اور مسلمانی کا جامہ اوڑھ رکھا ہے۔ اس کی پردہ دری کی جائے اور ان کی جو اصل حقیقت ہے۔ اس سے دنیا پر آشکارا کیا جائے۔ غرض مرزا ناصر احمد صاحب اور انکی ملت کبھی خوش دلی سے

قومی اسمبلی کے فیصلہ کو نہیں مانے گی۔ ان سے خطرات کھلے اور واضح ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کی سالمیت کے بارے میں بھی وہ دھمکیاں اور گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہیں۔ اس لئے عام مسلمانوں اور حکومت کو پہلے سے زیادہ انکی نگرانی اور انکی نقل وحرکت کی نگہداشت کرنی چاہئے۔ مبادا وہ سرگودھا جیسے حالات پیدا کر کے پورے ملک کو آگ و دھوئیں میں نہ جھونک دیں۔

مندرجہ بالا مختصر گذارشات سے یہ بات ظاہر ہے کہ گو قومی اسمبلی کا فیصلہ ایک عمدہ اور اچھا حل ہے۔ لیکن ابھی یہ پہلا قدم ہے۔ ابھی ملت کو بے فکر ہو کر قادیانی فتنہ سے غافل نہیں ہو جانا چاہئے۔ بلکہ ملک و بیرون ملک دعوتی و دینی وسیاسی معاشرتی غرض ہر میدان میں پورے حزم و احتیاط، ہوش و ضبط سے ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ "حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للّٰہ" کا امر الٰہی ظاہراً و باطناً پورا ہو جائے۔ اور انگریزی استعمار کا یہ خود کاشتہ پودا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

آخر میں مجلس تحفظ ختم نبوت اور اس کے امیر مخدوم الاساتذہ علامہ سید محمد یوسف بنوری مدظلہ اور ان کے رہنماؤں اور ان جملہ جماعتوں کو جنہوں نے اس دینی فریضہ اور فخر موجودات سید الکائنات خاتم النبیین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کیلئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ نظم وضبط، اتحاد، صبر و ہوش اور فراست و حکمت اس فیصلہ پر پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ ہمارے نزدیک ۲۲ جماعتوں کا اتحاد ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ و فیض ہے۔ دشمن کھلے اور چھپے حربے استعمال کر کے اس اتحاد میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ کاش! تمام فروعی اختلافات نظر انداز کرتے ہوئے ہم اسی طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد رہ سکیں تاکہ اس جہد و جہاد کے جملہ مقاصد پورے ہوں اور اس کے ثمرات ظاہر ہو سکیں۔ بلکہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا کام اسوقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "خاتم الشرائع" کا من وعن نفاذ و اجراء پورے ملک بلکہ تمام دنیا میں نہیں کرایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں اور عام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر اتحاد و نظم وضبط، یقین و ہوش سے اپنی جملہ ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے فیض سے عالم کو بقعہ نور بنا سکیں۔ آمین

مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مہتمم نجم المدارس کلاچی

مکرم و محترم وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحبہ و یرضاہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالنامہ اور عنایت کریمہ یاد فرمائی موجب ممنونیت ہے۔ جواباً گذارش ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں اسلام کے بعد کسی چیز سے بھی شاید اتنی خوشی

ہوئی ہو۔ تو ۷؍ ستمبر ۷۴ء کے ایمانی روحانی اور تاریخی فیصلہ کے اس اعلان سے ہوئی تھی فرحت سے بنتیجے

بعد الاسلام فرحوا بھذا الاعلان۔ اس لئے کہ :

(الف) اس میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی اور ارتداد و مرزائیت کی ذلیل شکست تھی۔

(ب) اس لئے کہ پاکستان کی تاریخ میں کسی ایمانی اور اسلامی مطالبہ میں ایسی صریح اور واضح کامیابی کی مثال موجود نہیں تھی۔

(ج) ماحول کو دیکھتے ہوئے اور خود اپنی اور قوم کے ظاہر سیاہ و باطن معاصی مظالم اور آثام کی تاریکیوں میں کبھی اپنے گناہ بھرے کانوں کو اور نہ ہی معاصی آلود آنکھوں کو اس قابل سمجھا کہ وہ عزت دین کی ایسی سامعہ نواز خبر سن سکیں گے یا اعزاز اسلام کا ایسا پر لطف منظر دیکھ سکیں گے۔ سبحان الحیّ الکریم۔

(د) اور خاص طور پر اس لئے کہ اگر فیصلہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اس کے برعکس ہوتا تو ہزاروں نہیں لاکھوں دین سے ناواقف لکھے پڑھے پاکستانیوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا۔ وہ قادیانیوں اور لاہوریوں کے کفر و ارتداد میں متردد ہوتے اور دنیوی مفاد حاصل کرنے یا دنیوی نقصانات سے بچنے کی خاطر حکومت کے ہاں میں ہاں ملاتے اور دنیا بھر کے علماء و فضلاء کے اجماع کے خلاف مرزائیوں کو مسلمان کہنے کی ناروا جسارت کرتے اور اپنا ایمان کھو بیٹھتے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ اس فیصلہ سے سب کے ایمان بچ گئے۔

اللہ والوں کے روحانی تصرفات مجاہد اور باریک بین علماء کی شب و روز کی تگ و دو اور مخلص مسلمانوں کی پرسوز آہوں اور مخلصانہ دعاؤں سے الحمد للہ کہ عام رجحان کے علی الرغم کایا پلٹ گئی اور یکدم پلٹ گئی اور غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی مدتوں کی آرزو پوری ہو گئی ؎

شکر للہ ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد و پس از پردۂ تقدیر پدید

ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور ؎

الٰہی چوں عزیزم کردی امروز مکن فردا بہ پیش خلق خوارم

دوسرا سوال | آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری اس فیصلہ پر ختم ہو گئی ہے یا اس فتنہ کے مہلک اثرات کا تعاقب اور احتساب جاری رکھنا ہوگا ــــ؟

جواباً عرض ہے کہ یہ فیصلہ تو قبول اسلام کا اعلان ہے۔ اس پر استقامت نہ ہوئی اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا گیا بلکہ اس میں تاخیر ہوتی تو اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو پاکستان بنا دینے کے بعد نظریۂ پاکستان سے تغافل کا ہوا کہ خود پاکستان کو دھکا لگا اور اسے دو نیم ہونا پڑا۔ یہاں اس غلطی کا اعادہ کیا گیا تو

یہ فیصلہ بھی مسلمانوں کے حق میں مفید ہونے کی بجائے معاذاللہ الٹا ارتداد کیلئے زیرِ زمین راہ ہموار کرنے کا باعث بنے گا۔ لاقدرھا اللہ۔

تجاویز

تجویز نمبر ۱۔ فیصلہ کے تقاضوں کو بروئے کار لایا جائے | میری مراد اس فیصلہ کے تقاضوں سے یہ ہے۔ کہ اب فوری طور سے حکومتی سطح پر :

۱۔ ان نامسلموں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے۔

۲۔ ان کے اوقاف حکومت کے قبضہ میں لے لئے جاویں۔

۳۔ ان کے اسلامی نام انجمن حمایت اسلام وغیرہ قانوناً ممنوع قرار دئے جاویں۔ ایک غیر مسلم کا اسلام کی حمایت کے نام سے کام کرنا پرلے درجہ کا دجل نہیں تو کیا ہے۔

۴۔ اسلامی شعائر از قسم آذان مسجد وغیرہ کا استعمال یہ غیر مسلم ہرگز نہ کر سکیں۔

۵۔ اور ان کے نیم فوجی تنظیمیں بلاکسی تاخیر ممنوع قرار دئے جاویں۔

ان تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے مسلمانوں کا وہی اتحاد برقرار رہنا ازحد ضروری ہے جو ۲۹ مئی تا ۷ ستمبر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں اسکی تقطیع کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ شیعہ نصاب الگ کرنے کے لئے شیعہ ایجی ٹیشن کی دھمکیاں اس کا پہلا زینہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ معلوم زیرِ زمین کیا کیا ہو رہا ہوگا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد دیوبندی بریلوی اتحاد کو کس طرح پارہ پارہ کر کے قوم کو لڑایا گیا۔

تجویز نمبر ۲ مجلس عمل کے اجتماعات مسلسل ہوتے رہیں۔ | میرے نزدیک اس کے لئے مجلس عمل کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر مسلسل اس کے اجتماعات ہوتے رہیں اور اکابرینِ مجلس عمل اپنے روحانی توجہات اور تصرفات میں کمی نہ آنے دیں اس کے بغیر جذباتی قوم میں اس اتحاد کو برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ والامر بید اللہ تعالیٰ۔

تجویز نمبر ۳ پاکستان کی خارجہ پالیسی آزاد ہو | ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے باوجود بھی ان مرتدین کے سیاسی ناخدا ان کی پشت پناہی کرتے رہیں گے اور انہیں پاکستان اور پورے عالم اسلام کو خراب کرنے کے لئے استعمال کرتے رہیں گے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان اور پورے عالم اسلام کی خارجہ پالیسی آزاد ہو اور حقیقۃً آزاد ہو۔ کیا آج اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ جو ممالک بھی مغربی ممالک کے تسلط سے آزاد ہیں۔ جو سلطنتیں امریکی بلاک کے زیردست نہیں ہیں کیا ان میں بھی مرزائیت کوئی مسئلہ ہے۔

ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگا تو یہ فتنہ اپنی موت مرجائے گا۔

تجویز نمبر ۹ تبلیغی طور پر | مرزائیت قادیانی کی ننگ انسانیت زندگی کو خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ میں ننگا کیا جائے۔ اور تجویز نمبر ۵ — عربی مدارس میں اور نہیں تو بلاکسی ناخیر القادیانی والقادیانیہ قسم کی کتابوں کو داخل نصاب کیا جائے کم ازکم وفاق المدارس کے امتحان میں اس کا امتحان لازمی ہو۔ تقابل ادیان کے نام سے وفاق کے امتحان میں ایک پرچہ کا اضافہ ہو اور جب تک کوئی مستقل کتاب اس عنوان پر شائع ہوکر شریک نصاب نہیں کر لی جاتی جس میں مرزائیت بہائیت، اباحیت اور اسلامی معاشی اقتصادی اور سیاسی نظام کے منہ آنے والے نظاموں کے اصطلاحات کو منقح کیا گیا ہو ان کے دلائل کو بیان کر کے عقل و نقل سے ان کے تار پود نہ بکھیر دئے گئے ہوں اس وقت تک صرف اسی کتاب کے امتحان پر اکتفاء ہو۔ اصحاب خیر سے اپیل کی جائے۔ کہ اس کتاب کے حسب ضرورت نسخے وفاق المدارس سے منسلک درجہ علیا کے مدارس کو مفت مہیا کریں۔ اور ارباب اہتمام سے اپیل کریں کہ طلباء دورۂ حدیث شریف کو یہ کتاب یا اس کا خلاصہ پڑھا دیا جائے۔

اس طرح تحفظ ختم نبوت اور تحفظ اسلام دائمی و نظامہائے اسلام کا کام پورے ملک میں پھیل کر حفاظت عقائد حقہ کا ذریعہ بنے گا اور وقتی نہیں انشاء اللہ صدقۂ جاریہ اور دائمی ہوگا۔ والامر بید اللہ۔

(۱۸ر شوال ۱۳۹۴ھ)

مولانا محمد شریف جالندھری ناظم مرکزی دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

اسلام دین فطرت ہے جس کی تکمیل فخر موجودات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر ہو گئی۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امت مسلمہ کے لئے اندرونی و بیرونی فتن کی نشاندہی فرمائی وہاں جھوٹے مدعیان نبوت کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ ارشاد فرمایا:

> فتن چاہے کتنے ہی ہمہ گیر ہوں۔ ختم ہونے والی چیز ہیں۔ اور باقی رہنے والا دین فطرت ہی ہے۔ طوفان چاہے کتنے ہی عظیم ہوں ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔
>
> اما الزبد فیذھب جفاءً واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔

فتنۂ مرزائیت امت مسلمہ کے لئے فتنۂ سوداء تھا۔ اور ہے۔ مرزائیت نے دشمن اسلام قوتوں کا آلۂ کار بن کر عالم اسلام کے لئے مشکلات پیدا کیں۔ اور اغیار کے لئے خوشی و انبساط کا سامان پیدا کیا۔ ۷ ستمبر کے فیصلہ نے اس فتنہ کی کمر توڑ دی — لیکن ابھی بہت کام باقی ہے۔ جو تمام مسلمان فرقوں کے اتحاد و اتفاق سے

ہی انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ مجلس عمل کا قائم رہنا اس کی تنظیم کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا نہ صرف مرزائیت کے سیاہ فتنہ کی سرکوبی کے لئے ضروری ہے۔ بلکہ وطن عزیز میں اسلامی اقدار کے احیاء کے لئے بھی ناگزیر ہے۔ اگر خدانخواستہ اراکین مجلس عمل اپنے اپنے فرقوں کی تنگناؤں میں چلے گئے۔ درخت کی جڑوں کو سیراب کرنے کی بجائے اس کے پتوں پر پانی کے چھڑکاؤ میں مصروف ہو گئے۔ تو نہ صرف ۷ ستمبر کا فیصلہ محض کاغذی فیصلہ ہوگا۔ بلکہ دشمن ملک وملت قوتیں اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر تمام کام پہ پانی پھیر دیں گی۔

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوۃ انکاثا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام ہی مسلمان فرقوں کے اتحاد اور تردید مرزائیت کے لئے ہے۔ مجلس تمام مسلمان فرقوں کے رہنماؤں سے اپیل کرتی ہے۔ کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلہ کے اجراء۔ کلیدی آسامیوں سے مرزائیوں کی علیحدگی ربوہ میں عملاً اہل اسلام کی سکونت کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کو فعال جماعت کی حیثیت سے زندہ رکھیں۔

(۱۸ شوال ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا امین احسن اصلاحی - ماہنامہ میثاق لاہور

مکرمی زاد لطفہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ افسوس ہے کہ آپ کا سوال نامہ مجھے بڑی تاخیر سے موصول ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اب لاہور سے نقل مکان کر کے شیخوپورہ کے ایک دیہات میں آ گیا ہوں۔ اور آپ نے گرامی نامہ لاہور کے پتہ پر ارسال فرمایا۔ کل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ملنے آئے تو وہ سوال نامہ ساتھ لائے۔

قادیانی مسئلہ سے متعلق میری رائے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رسالہ میثاق میں شائع کر دی ہے۔ میرے نزدیک قادیانی اقلیت کے حقوق کے سزاوار تو نہیں تھے۔ لیکن ہمارے ملک میں شرعی قوانین نافذ نہیں ہیں۔ اس وجہ سے بالفعل مسئلہ کا ممکن حل یہی تھا۔ یہ نرم سے نرم سلوک ہے، جو ان کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر قادیانیوں نے اس کی قدر کی تو وہ اپنے لئے اس ملک میں امن کی زندگی کی گنجائش پیدا کر لیں گے اور اگر اس رعایت سے انہوں نے غلط فائدے اٹھانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج نہایت خطرناک ہو سکتے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ قادیانی اس رعایت سے غلط فائدے اٹھانے کی کوشش کریں گے اور خاص اندیشہ اس امر کا بھی موجود ہے کہ بعض غلط اندیش لوگ اقلیت کے نام پر ان کی سرپرستی کریں۔ ان خطروں کے سدباب کی واحد شکل یہی ہے۔ کہ مسلمان برابر بیدار رہیں۔ اگر مسلمانوں نے اس معاملے میں غفلت کی تو اب قادیانیوں کو جو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اس کی آڑ میں وہ ہمارے مذہب اور ملک دونوں کو پہلے کی نسبت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

(۱۰ نومبر ۷۴ء)

جناب محترم زیڈ اے سلہری صاحب

مکرمی و محترمی جناب سمیع الحق صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معاف فرمائیے، جواب میں تاخیر ہوگئی۔ آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور اسے علم کا خزینہ سمجھتا ہوں۔ میری شعوری زندگی اسی تمنّا میں گزری کہ قادیانی مسئلے کے بارے میں مسلمان اپنی سنگین ذمہ داری سے عہدہ برا ہوں، دراصل قادیانی ازم انگریزوں کی سنگینوں کی حفاظت میں پروان چڑھا۔ کسی آزاد مسلم معاشرے میں اس کا پنپنا ناممکن تھا۔ اس کا مقصد اسلام کی تعلیم کو مسخ کرنا تھا۔ اور مغرب میں اس مذموم مقصد کے حصول کا ایک ہی ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کو گھٹایا جائے، چنانچہ وہاں صدیوں جتنا پراپیگنڈا اسلام کے خلاف ہوا ہے۔ اس میں اسلامی عقائد کو اس قدر ہدف تنقید نہیں بنایا گیا جتنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو۔ مغربیوں نے اس بات کا صحیح اندازہ کر لیا کہ امت مسلمہ کا محور رسالت ہے۔ اگر مسلمانوں میں نعوذ باللہ اس کا مرتبہ گرا دیا جاتا ہے یا یورپینوں کی نظروں میں اسے بڑھنے نہ دیا جاتا ہے۔ تو اسلام سے نمٹا جا سکتا ہے۔ غلام احمد کے دعوئ نبوت کا فوری مقصد تو ہندوستان میں وفادار مسلمانوں کا ایک ٹولہ پیدا کرنا تھا لیکن اس کا اصل مقصد ایسے اسلام کو ترویج دینا تھا جس کا دار و مدار رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس پر نہ رہے اور جس میں حسب منشاء ہر قسم کا عقیدہ شامل کیا جا سکے۔ چنانچہ قادیانی ازم ہر غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن حکومت کو قابل قبول ہوگا۔ جب تک انگریزوں کا راج رہا۔ قادیانی مسئلے کا مؤثر حل مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھا، انگریزوں نے سکھوں کو تو بغیر مطالبے کے ہندوؤں سے الگ اقلیت قرار دے دیا لیکن قادیانیوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے مطالبے کو درخور اعتنا نہ سمجھا لیکن آزادی اور تخلیق پاکستان کے بعد اس صورت حال کا کوئی جواز نہ رہا تھا کہ قادیانی بدستور مسلمانوں کے ایک جزو لاینفک کے درجے پر متمکن رہیں، خدا کا شکر ہے کہ ع

کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

اب زندگی میں ایک پاکیزگی محسوس ہوتی ہے اور درود پڑھنے سے گونا طمانیت قلب حاصل ہوتا ہے ــــــ

ذیلی مسائل کئی باقی ہیں لیکن میرے خیال میں سب سے اہم مسئلہ بیرون ملک تبلیغ کا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان کے فیصلے کا پوری دنیا پر اثر ہوگا۔ اور اسلام کے طالب اصل تعلیم کی طرف رجوع کریں گے، لیکن پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اس میدان کو قادیانیوں کے لئے کھلا نہ چھوڑیں، یورپ و افریقہ میں ان لوگوں نے کافی پاؤں جمائے ہوئے ہیں اور خلا میں ان کے جماعتی نظم و نسق کا کارگر ہونا دور از قیاس

نہیں، اگر کوئی غیر مسلم اسلام کی تلاش میں ہو تو قادیانی مبلغ محض اپنے مشن کی موجودگی کی وجہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ خاص طور پر جب وہ خارجہ ممالک میں اسلام کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے غلام احمد کی "نبوت" کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو، انکی غرض اپنی جماعت کو مضبوط کرنا ہے لیکن جب آدمی ایک دفعہ ان کے سلسلے کے سلاسل میں پھنس جاتا ہے۔ تو وہ آہستہ آہستہ اپنی کم علمی اور کم فہمی کی بناء پر ان کا ہم خیال ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممالک غیر میں تبلیغ کی اشد ضرورت ہے۔ خصوصاً آجکل جبکہ مغربی افکار کے زوال اور روسی کمیونسٹ اقدار کے عمل انسانیت کش نتائج اظہر من الشمس ہونے کے بعد عالمی فضا اسلام کے نفوذ کے لئے تیار ہو رہی ہے۔ اور دنیا میں مسلمانوں کے لئے اعزاز حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا اور سبیل بھی کیا ہے۔ کہ وہ اسے اسلام کا تحفہ پیش کریں۔؟

میں اس کام کو اتنا اہم جانتا ہوں کہ میری تجویز تو یہ ہے کہ مسلم ممالک تبلیغ اسلام کو اپنی خارجہ حکمت عملی کا ایک جزو قرار دیں۔ اور اجتماعی طور پر اس فریضے کی ادائیگی میں حصہ لیں، یاد رکھیئے کہ کمیونزم کی کامیابی کا راستہ کمیونسٹ پراپیگنڈے نے ہموار کیا تھا، اذہان اور قلوب پر غلبہ دور حاضرہ کا سب سے بڑا محاذ اور جہاد ہے۔ اگر مسلمان اسلام کی فکری افضلیت واضح کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو دنیا کی نعمتوں اور طاقتوں کے ماخذ خود بخود ان کے تصرف میں آجائیں گے۔ (۹ نومبر ۱۹۷۴ء)

جناب رائے شمشیر علی خان صاحب انٹرنیشنل اسلامی مشن برطانیہ

مدیر ماہنامہ دعوت الحق برطانیہ

۱۔ قادیانی مسئلہ کے حل پر راقم کو اس قدر خوشی ہوئی جیسی میرے آقا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مسیلمہ کذاب کے قتل پر ہوئی تھی، اس کذابی فتنہ کے خلاف میں نے بیس سال اپنی پوری قوت مال جان سے جہاد کیا ہے۔ میرا یہ وظیفہ تھا رات دن ظفر اللہ کذاب اور قادیانی کذابوں کا محاسبہ میں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر قرض سے کر بھی اس جہاد کو جاری رکھا۔ مولانا لال حسین اختر مولانا محمد یوسف بنوری جیسے بزرگوں کو برطانیہ میں لانے کی خدمت اسی ناچیز نے انجام دی سعودی عرب میں مکہ مدینہ کا سفر اسی جہاد کے تحت کیا برطانیہ کے دو بڑے شہروں میں برانچیں قائم کیں۔ ۸ مئی ۷۴ء کو اسی سلسلہ میں حجر اسود پر سر رکھ کر دعا کرنے کی غرض سے دیار حبیبؐ کا سفر کیا پاکستان اسمبلی کا تاریخی فیصلہ مجھے میرے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفقت سے رحمۃ للعالمین نے خواب میں اپنی صورت دکھا کر سنا دیا تھا۔ یورپ میں اس کذابی فتنہ کے خلاف جس قدر

کام اللہ تعالیٰ نے مجھ سے لیا ہے اس کام میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری رہنمائی میرے ساتھ تھی، اس قلم میں طاقت نہیں کہ اپنے محسن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کا ذکر کر سکوں۔

۲۔ قادیانی فتنہ کا محاسبہ کرنا مجھے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے دودھ میں گھول کر پلایا تھا۔ کھانے میں ڈال کر کھلایا تھا۔ اپنے روحانی مرشد کی دعاؤں سے پورے بیس سال سے پوری دنیا میں قادیانی فتنے کی اطلاع جو ملتی میں وہ کتابوں میں دعوت الحق برطانیہ میں شائع کرتا رہتا۔ خدا کے فضل و کرم سے ہمارے ادارہ کی برانچیں ان تمام ممالک میں قائم ہیں جہاں قادیانی کذاب اپنے مکروفریب سے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں ظفر اللہ کذاب لندن میں میرے قریب ہے، اس کی تمام مصروفیت میرے سامنے ہے۔ کہ وہ کس طرح مسلمانوں کے خلاف یہودیوں عیسائیوں ہندوؤں کو بھڑکاتا ہے۔ ہم تمام اسکی سرگرمیوں سے بخوبی آگاہ ہیں ہم انشاء اللہ پوری طرح سے اس کذاب کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں اور پوری زندگی تک کرتے رہیں گے۔

۳۔ مسلمانوں کی ذمہ داری آگے اس سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ قادیانی امت اپنے اندر زہریلے سانپ والے تاثرات رکھتی ہے۔ جب بھی موقع ملے گا وہ زہریلے تاثرات والے ڈنگ لگائیں گے۔ ظفر اللہ قادیانی لندن میں مقیم ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں غیر ممالک سے خطوط بھٹو کو لکھوائے۔ یہودی عیسائی حکومتوں کی طرف سے بھٹو پر دباؤ ڈالا گیا۔ سنا ہے کہ کروڑوں روپیہ بھٹو کو رشوت پیش کی گئی۔ اگر بھٹو صاحب پاکستانی قوم کے ہاتھوں مجبور نہ ہوتے تو شاید وہ یہ آفر لے لیتا۔ مگر قوم فولادی دیوار کی طرح بھٹو صاحب کے سامنے تھی، مجبور ہو کر غیر مسلم قرار دینا پڑا۔ اگر میں غیر ممالک میں قادیانیوں کی سرگرمیاں پوری لکھوں تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ آگ کی چنگاری ہے جو دب گئی ہے۔ بجھی نہیں ہے۔ موقع پاتے یہ قادیانی امت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرے گی۔ ہم اس وقت تک یہ جہاد جاری رکھیں گے جب تک یہ قادیانی امت مسیلمہ کذاب کی امت کی طرح دنیا سے مٹ نہیں جاتی۔

۴۔ جب تک پوری دنیا سے یہ گندہ ناسور مٹ نہیں جاتا اسوقت تک اس کے ٹی۔ بی جیسے جراثیم باقی رہیں گے۔ قادیانی خلیفہ ناصر اور ظفر اللہ قادیانی کے بیان لندن میں قادیانیوں کی پوری سرگرمیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف پوری قوت غیر ممالک میں بیٹھ کر خرچ کریں گے۔ ہو سکتا ہے پاکستان سے قادیانی مرکز بدل کر لندن یا امریکہ وغیرہ جائے جہاں ان کے آقا بنے ہیں۔

۵۔ جس طرح نوے سال سے امت محمدیہ اس کذابی امت کے خلاف جہاد کرتی رہی ہے۔ اسی طرح

جہاد جاری رکھنا چاہیئے۔

غیر ممالک میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ادارے قائم کئے جائیں، لاتعداد لٹریچر انگریزی میں شائع کیا جائے۔ اس قوم کے مکر و فریب پوری دنیا کے سامنے کھول کھول کر بیان کئے جائیں جب تک یہ فتنہ پوری دنیا سے ختم نہیں ہوتا ہم آرام کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ اس امت کی دوسری برائی منکر حدیث غلام احمد پرویز ہے۔ اس کا محاسبہ کرنا بھی فرض ہے۔

مولانا احمد عبدالحلیم کانپوری۔ کراچی

۱۔ عام طور پر سب مسلمان اس سے واقف ہیں کہ مرزا غلام احمد نے اپنے اعلان نبوت یا بالفاظ دیگر اپنے کفر و ارتداد کے بعد ہی انگریزی حکومت سے اپنے اظہار عبودیت کیلئے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ میرے مذہب میں جہاد حرام ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرتد نے یہ بھی اعلان کیا کہ میں خونی نبی نہیں ہوں۔ (آتش بگوش) اس نے خونی کا لفظ کہہ کر سید البشر خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر رکیک اور کمینہ تعریض و تنقید کی ہے۔ اور معاذ اللہ آپکے دین مبارک کو قاتل و سفاک ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ جہاد اسلام کا پانچواں ضروری رکن ہے جس کے بغیر اسلام کی حفاظت ہو ہی نہیں سکتی اسی لئے اس کے بارہ میں ارشاد عالی ہے۔ کہ "الجہاد ماض الی یوم القیامہ" یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ (اور کبھی منسوخ یا معطل نہ ہوگا۔) وہ جانتا تھا کہ انگریز ۱۸۵۷ء کے جہاد میں شدید زک اور جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد اس سے بیحد لرزاں و ترساں ہے۔ اور اسی لئے اس نے تمام اسلحہ یہاں تک کہ بڑے چاقو چھری تک پر پابندی لگادی تھی کہ یہ آلات جہاد ہیں۔ اسی لئے مرزائے مرتد نے انگریز سے اپنی وفاداری اور عبودیت کو خونی نبی نہ ہونے کی جاہلانہ و کافرانہ نفی سے مستحکم کیا۔ اس لئے ہر مرزائی قادیانی جو اسکی نبوت پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی بر رضا و رغبت جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا اور اگر ریاکاری و فریب دہی کیلئے شریک بھی ہوگا تو اس کے فرائض ادا نہ کریگا۔ اس لئے جب ہماری فوج محض مجاہدین کی جماعت ہے۔ اس میں سے جلد جلد انہیں خارج کر دینا چاہیئے ۔۔۔۔۔

۲۔ مرزائے مرتد نے قرآن مجید میں منجملہ اور تحریفات کے یہ تحریف بھی کی تھی کہ میری نبوت کی پیشنگوئی مسیح ابن مریم علیہما السلام سے بھی کرائی گئی تھی جس کا ذکر بحوالہ انجیل، قرآن میں اس طرح وارد ہے۔ "مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد" یعنی مسیح ابن مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احمد نام کے ایک رسول کے آنیکی

بشارت دینے والا بھی بتایا" مرزا کہتا تھا کہ وہ احمد میں ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب تصریح قرآن محمد ہیں۔ حالانکہ کوئی پوچھتا کہ تم احمد کب ہو، تم تو غلام احمد ہو اور غلام بھی عیار و بے وفا۔ اسی مرزائی خرافات کی بناء پر اس کے متبعین اپنے کو احمدی کہتے ہیں۔ مرزائی یا قادیانی نہیں کہتے۔ اس لئے ہمیں انکی مشابہت اور ان کے کفر کی تائید سے بچنے کے لئے انہیں ہرگز احمدی نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ مرزائی یا قادیانی ہی کہنا چاہیئے۔ اسکی نظیر قرآن مجید میں بھی ہے۔ " یا ایھا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا۔" یعنی اے ایمان والو (تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کے لئے منافقین کیطرح) راعنا نہ کہا کرو گو بظاہر یہ کلمہ مراعاۃ سے مشتق ہونیکی وجہ سے ادب و تعظیم کا کلمہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری بھی رعایت فرمایئے اور اس ضرورت کے لئے تم " انظرنا " کہا کرو جس کے معنی ہیں ہم پر بھی نظر فرمایئے۔ منافقین و یہود " راعنا " کے کسرہ کو اتنا کھینچتے تھے کہ وہ " راعینا " ہو جاتا تھا یعنی اے ہمارے بکریوں کے چرواہے۔ چونکہ یہ سخت گستاخی کے ساتھ سراپا غلط بھی ہے۔ اس لئے مؤمنین کو اس کا متبادل کلمہ " انظرنا " بتایا گیا۔ نیز وہ اگر کسرہ کو کھینچتے نہ تھے تو اس کو راعن کا منادی بناتے تھے، جو رعونت سے مشتق ہے۔ اور اس کے معنی تکبر اور اس کے روحانی مرض میں مبتلا کے ہیں۔ یعنی اے متکبر و مغرور۔ اور مومنین جب خطاب کیلئے ان کی تقلید میں راعنا کہتے تھے تو وہ یہ سمجھ کر بہت خوش ہوتے تھے کہ ہم نے آپ کے جان نثاروں سے بھی آپ کو وہی گالی دلوا دی جو ہم دیتے ہیں۔

۳۔ اسلام میں دنیاوی کاموں کی سرکاری ملازمت کفار اہل ذمہ کو دینا منع نہیں۔ ہاں وہ خدمات ان کو نہیں دی جائیں گی جن کا کسی نہ کسی طرح دین سے تعلق ہوگا۔ چنانچہ فوجی نوکری تو جہاد کی نوکری ہے۔ اس لئے کوئی غیر مسلم اس کا اہل نہیں ہے۔

۴۔ ربوہ جو اس وقت خالص کفرستان ہے۔ اسے بھی عام پاکستانی شہروں کی طرح ہر پاکستانی کی سکونت کے لئے عام ہونا چاہیئے۔ بلکہ اسے انکی ملک سے نکال لینا چاہیئے۔ پہلی حکومت نے سر ظفر اللہ کے اثر سے یہ پورا خطہ کوڑیوں کے مول ان کے ہاتھ فروخت کر کے پاکستان میں ایک کفرستان بنوا دیا تھا۔ اس لئے یا تو انکی قیمت واپس کر کے اس پر قبضہ کر کے اسے پھر پاکستان میں شامل کر لینا چاہیئے یا اسی طرح بلا قیمت لے لینا چاہیئے جسطرح زمینداروں اور جاگیرداروں کی زائد زمینیں اور کارخانے مفت لے لئے گئے حالانکہ اسلام میں کسی کے سرمایہ و جائداد کی مقدار کی کوئی پابندی نہیں۔ چنانچہ خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کروڑ پتی تھے۔ اور بعض صحابہؓ اتنے مفلس تھے کہ انہیں جو کی روٹی کی بھی وسعت نہ تھی اور کھجور کے باغوں کی گری ہوئی کچی کسیلی کھجوروں پر بسر کرتے تھے، ایسے ہی ایک مفلس و فقیر صحابی کی ایک صاحب وسعت صحابیؓ نے کچھ خدمت کرنا چاہی تو

انہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ کیا تم میری جنت کی نعمتیں کم کرانا چاہتے ہو۔ جب مقدار سرمایہ و جائداد پر اسلام نے کوئی پابندی نہیں لگائی بجز اس کے کہ وہ شرعی اور جائز طریقہ سے حاصل کی جائے تو مدعی اسلامی حکومت کو بھی اس پر پابندی نہیں لگانا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ "یا ایھا الذین آمنوا لا تحرموا ما احل اللہ لکم" اے ایمان والو ان چیزوں کو حرام نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ واللہ المستعان۔

مولانا محمد طاسین صاحب ناظم مجلس علمی کراچی

عزیز محترم و صدیق مکرم زادکم اللہ لطفاً و عنایۃً۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ شکر الٰہی کے جذبہ سے معمور دل سے اس نمایاں اور خاطر خواہ کامیابی پر ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں۔ جو قادیانی مسئلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے علمائے حق کو عطا فرمائی ہے، آپ اس تبریک و تہنیت کے اس وجہ سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ نے اس میدان میں ہر طریقہ سے غیر معمولی جد و جہد فرمائی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس مبارک مہم کے دور تازہ کا آغاز آپ کی ان جراتمندانہ تحریروں سے ہوا ہے۔ جو کچھ عرصہ پہلے ماہنامہ الحق میں منظر عام پر آئیں جبکہ ہر طرف عام طور پر سکوت تھا، بارک اللہ لکم و فیکم و شکر مساعیکم۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کامیابی کو ہماری مستقبل کی بیشمار کامیابیوں کا ذریعہ بنائے اور ہمارا یہ ملک حقیقی اور عملی طور پر دارالاسلام بنے اور دنیا اسکی تقلید اور پیروی پر مجبور ہو۔ !

مولانا عبدالحلیم مردانی استاذ حدیث و تفسیر دارالعلوم حقانیہ

انگریزوں کے زمانہ میں قادیانی مسئلہ کا موجودہ حل نہایت مشکل تھا کیونکہ انگریزوں نے خود اس جماعت کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے پیدا کیا تھا۔ گذشتہ زمانہ میں بھی وہ ان کی سرپرستی کر رہے تھے۔ اور اب بھی کر رہے ہیں۔ تو انگریزی حکومت سے قادیانیوں کے خلاف اقلیت اور کفر کا فیصلہ ان کے مقاصد کے خلاف تھا۔ اگرچہ جزوی طور پر بعض عدالتوں میں ان کو ملت سے خارج قرار دیا گیا تھا۔ اور ان کے بارہ میں فسخ نکاح کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

پھر جب کہ انگریز ملک چھوڑنے لگا اور پاکستان کا نظریہ ظہور میں آیا۔ تو چونکہ یہ نظریہ دو قومیت پر

مبنی تھا۔ اور متحدہ ہندوستان کی تقسیم کا دار و مدار اکثریت اور اقلیت قرار دیا گیا تو کچھ لوگوں نے جن میں مسلم لیگی پیش پیش تھے، ان کو شاید ملکی مفاد کی خاطر غیر مسلم (ہندو سکھ وغیرہ) کے مقابل شمار کیا۔ باوجود اس کے کہ سر ظفر اللہ نے واضح طور پر اعلان کیا تھا۔ کہ احمدی جماعت ان لوگوں کو کافر سمجھتی ہے۔ جو مرزا کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ متعارف مسلمان نہیں ہیں۔ اور خود مرزائیوں نے ایک تیسری قوم کی حیثیت سے الگ ریاست حاصل کرنے کی سعی کی۔ اگرچہ اس وقت بعض لیڈر اور اسلام کے بہی خواہ تنبیہہ کر چکے تھے۔ کہ احمدی جماعت اسلام سے خارج ہے۔ ان کو مسلمانوں میں شامل کرنا ملک و ملت دونوں کے لئے سخت مضر ہے۔ مگر افسوس کہ ان کی آواز کو نظر انداز کر دیا گیا۔ مگر واقعات نے ظاہر کر دیا کہ وہ لوگ، حق بجانب تھے۔

اب بھی وہی لوگ جنہوں نے انکو مسلمانوں میں شامل کیا تھا۔ تحریک ختم نبوت کے خلاف رہے۔ اور اس مسئلہ کو سیاسی مسئلہ کہہ کر مسلمانوں کے خیالات کو بدلنا چاہا۔ یہ لوگ حتی الامکان اسی تحریک کو ناکام بنانا چاہتے ہیں، ان لوگوں نے ۲۵ سال تک برسر اقتدار رہتے ہوئے انگریز کے اس خود کاشتہ پودے اور مار آستین کی پوری حفاظت کی۔ تمام مسلمان چونکہ دیکھتے ہیں کہ مرزائی جماعت والے صلوٰۃ و صوم کے پابند ہیں اور مرزائی مذہب کے اصول و فروع میں قرآنی نصوص اور احادیث کے بعد التحریف استدلال کرتے ہیں۔ مگر یہ تحریفات اور عقائد میں رد و بدل چونکہ عامیانہ فہم سے بالاتر ہے۔ لہذا عوام ان کو ان کے ظاہری اعمال کی بنا پر ملت میں شامل سمجھتے تھے۔ اور ان کے خلاف تکفیر کا فتویٰ مولویانہ ضد یا احمقانہ سیاست جانتے تھے۔

الحمدللہ کہ قومی اسمبلی نے کافی غور و تامل کے بعد اس مسئلہ کا ایسا صحیح حل پیش کیا کہ ایک طرف تو دنیا کے مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہوئے اور ختم نبوت کے ساتھ صحیح شغف اور سرور کائنات کے ساتھ قلبی محبت کا ثبوت دیا۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کے خیالات فاسدہ اور شبہات باطلہ کو ختم کر دیا۔ جو کہ اس تحریک کو احمقانہ سیاست اور مولویانہ ہٹ دھرمی یا کفر سازی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

لیکن مرزائی جماعت پہلے سے اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے، وہ ایک زمانہ سے یہ خواب دیکھ رہے تھے۔ کہ کسی وقت وہ پاکستان پر قبضہ کریں گے۔ اور جو مسلمان یا علماء ان کے خلاف تحریک چلا رہے تھے۔ اور چلا رہے ہیں۔ ان کو جبر یا لالچ دیکر مرزائی بنائیں گے۔ یا ان کو قتل کریں گے۔ چنانچہ ان کے معاملات اور بیانات سے واضح ہو چکا ہے۔ اسی خاطر انہوں نے اعلیٰ فوجی عہدوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ بری بحری اور ہوائی فوج کے افسروں میں اکثریت ان کی ہے۔ سول محکموں کے کلیدی مناصب ان کے ہاتھ میں ہیں۔ بیرونی ممالک میں حکومت کے وسائل سے پرچار کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف

جماعتی اور حکومتی ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ شخصی وسائل اور اثر و رسوخ سے کام لے رہے ہیں۔ ربوہ کا بند شہر ہونا۔ وہاں ہر قسم کا اسلحہ فراہم کرنا۔ وہاں متوازی حکومت قائم کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور ان کے ارادوں کی غمازی کر رہے ہیں۔ اب جبکہ ان کے خلاف قومی اسمبلی کا فیصلہ بھی صادر ہوا۔ تو ہر شخص کو محتاط ہونا ہے۔ کہ ان کا جذبۂ انتقام اور مسلمانوں کی عداوت کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوا ہوگا۔ حالات حاضرہ اس کے شاہد ہیں۔ پھر بہت سے نام کے مسلمان ان کے ہمدرد ہیں۔ اور ان کی سرگرمیوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

تو ایسی صورت میں عام مسلمانوں کا عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کا خصوصاً فرض ہے کہ قوم و ملک اور دین کی حفاظت کے لئے پہلے سے زیادہ بیدار ہو جائیں۔ اور ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں واعدوا لھم ما استطعتم۔ پر عمل کریں۔ اور حکومت سے بھی مطالبہ کریں کہ مسلمانوں کے دیرینہ مطالبات پر جلد از جلد عمل کریں۔ اور قوم و ملک کو فتنہ سے بچانے کیلئے اپنا فرض ادا کریں۔ ولینصرن اللہ من ینصرہ۔

مولانا محمد فرید صاحب مفتی و مدرس دار العلوم حقانیہ

۱۔ قادیانی فیصلہ سے قادیانیوں کا خارج از اسلام ہونا تمام عوام اور تعلیم یافتہ طبقہ پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ اس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور مجبوراً وہ اب اپنے ارادوں میں ترمیم کریں گے۔ اس فیصلہ سے ان کی تبلیغ و اشاعت اور عوام کو پھسلانے کے ہتھکنڈے کافی حد تک بے کار اور ختم ہو جائیں گے۔

۲۔ یہ مسئلہ اگرچہ کاغذی طور پر حل ہو گیا ہے۔ لیکن عملی طور پر ابھی تک حل شدہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ قادیانیوں نے بھی ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا۔ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ وہ اس فیصلے کو نافذ کروائیں ورنہ دنیا اور آخرت میں انتقام کے خطرات درپیش ہیں۔

۳۔ قادیانیوں کے اثرات ختم کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس فیصلہ کی ہر زبان اور ہر حکومت میں اشاعت کی جائے اور ہر مسلمان حکومت ان کو قانونی طور سے غیر مسلم قرار دے۔ اور اسلامی ممالک کے مشترکہ وفود غیر مسلم حکومتوں کو خبردار کریں اور انہیں مسلمانوں سے جداگانہ حقوق دینے کا مطالبہ کریں۔

زعماء جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان۔ ۵۶ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

مکرمی جناب حضرت شیخ الحدیث صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ناموس رسالت کے آئینی

تحفظ اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے تاریخی کارنامے کے سلسلے میں آپ کی بھرپور مساعی پر ہم جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کی طرف سے آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی قومی مسائل کے حل اور آئین میں اسلامی ترامیم کے موقع پر تمام بیرونی اثرات، بالائی دباؤ سے آزاد ہو کر فرض شناسی اور دینی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے قوم کے وسیع تر مفاد اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔

ہم نے ۲۶ راگست کو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فتنۂ مرزائیت کے متعلق قوم کے جذبات نوجوان طلباء کے عزائم اور اکابرین مجلس عمل کے مطالبات سے آپ کو زبانی طور پر آگاہ کیا تھا اور تحریری یادداشت بھی پیش کی تھی۔ اسی روز آپ کے ایمان افروز خیالات سے ہم یہ باور کر چکے تھے کہ جونہی یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہوگا ممبران متفقہ طور پر عوام اور اسلام کے حق میں فیصلہ دے دیں گے۔ چنانچہ آپ ہماری توقعات پر پورا اترے اور آج پوری قوم بلکہ عالم اسلام کے ۹ کروڑ مسلمان آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

حقیقت میں اسلام ہی ایک ایسی طاقت ہے جو کہ پاکستان کو قائم رکھ سکتی ہے۔ ورنہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجہ بھی یہ تھی کہ ہم نے اسلامی نظام کو نہ اپنایا اور سات کروڑ مسلمانوں کا خطہ ہم سے الگ ہو گیا۔ آج اگر پاکستان کے چاروں صوبوں کو متحد رکھا جا سکتا ہے۔ تو صرف۔ اور صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ یہاں پر صحیح طور پر اسلامی نظام کو نافذ کر دیا جائے ورنہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان چاروں صوبوں کو متحد نہیں رکھ سکتی۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان حکمرانوں نے اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا مسلمان امن وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے اور خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ ماضی میں ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم وقت جہاں انتہائی زیرک اور سیاسی رموز سے واقف حکمران ہوتا تھا وہاں وہ جید عالم دین بھی ہوتا اور علماء حق کی رہنمائی میں کاروبار حکومت چلاتا حقیقت بھی یہ ہے کہ کوئی حکومت، اسلامی حکومت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک علماء حق کی سرپرستی میں ان کے مشورے سے نہ چلے۔ جب سے برسر اقتدار طبقہ نے علماء سے رابطہ منقطع کیا مسائل نے جنم لینا شروع کر دیا اور اسلام کی وجہ سے جو برکات ہوتی تھیں وہ ختم ہوتی گئیں۔

ہم آخر میں ایک دفعہ پھر آپ کو تاریخی فیصلہ پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ فقط والسلام

محمد اسلوب قریشی صدر جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان

رانا شمشاد علی خان، صدر جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ پنجاب

سلطان احمد خان، صدر جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ سرحد

سید عبدالغفور شاہ، صدر جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ سندھ

سکندر خان، صدر جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ بلوچستان

بقیہ : نقش آغاز

ڈالنے کے بعد ہم ایسے مطالبات کو کس طرح ناقابل تسلیم اور نامعقول کہہ کر مسترد کر سکیں گے ۔ اتحاد کی رسی ہاتھ سے چھوٹ جانے کے بعد ملک و ملت کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ممکن ہو سکے گی ۔

شیعہ حضرات اگر اس طرح اپنا ایک علیحدہ تشخص قائم کرنے پر مصر ہیں تو یہ بنیادی سوال اٹھ سکتا ہے ۔ کہ کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک جداگانہ قومیت تصور کرتے ہیں ۔ ؟ جہاں تک مسلمانوں کے سواد اعظم کا تعلق ہے اسکی طرف سے ایسی کوئی آواز شیعوں کی علیحدگی کی نہیں اٹھائی گئی نہ وہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ غیر مسلم فرقہ تصور کرتے ہیں ۔ اور اس سلسلہ میں اب تک نہایت فراخدلی بلکہ مسرفانہ رواداری کے نتیجے میں ملک کے بعض حصوں کے نصاب تعلیم سے حضرت ابوبکرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے قابل فخر رہنماؤں کے احوال و سوانح بھی حذف کئے جا چکے ہیں ۔ اور سنی اپنی روایتی وسعت ظرف یا ان کی بے حسی کی وجہ سے یہ سب کچھ گوارا کرتے چلے آئے ہیں ۔ لیکن کیا شیعہ حضرات کے موجودہ مطالبات کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ جب اکثریت انہیں اپنی طرح مسلمان سمجھتی ہے تو یہ لوگ بلاوجہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ کرانے پر کیوں مصر ہیں ۔ شیعہ سنی معتقدات میں بعض اصولی اختلافات کے باوجود بعض شیعہ فرقوں کو چھوڑ کر عام طور پر اس اختلاف کو فروعی سمجھا جا رہا ہے ۔ (جبکہ بعض اخباری مراسلات میں شیعہ حضرات اسے اصول قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں ۔)

اگر فروعی اختلافات بھی اس علیحدگی کا سبب بن سکتا ہے تو خود اہل سنت کے اندر کتنے مکاتب فکر ہیں جو آگے چل کر جداگانہ حقوق اور مطالبات کا ہنگامہ اٹھا سکتے ہیں ۔ مثال کے طور پر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے ۔ لیکن کیا فروعی اختلافات کی وجہ سے دیوبندی اور بریلوی الگ الگ دینی نصاب کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے ۔ ؟

پھر حنفی اور غیر حنفی تقسیم کریں تو مقلد اور غیر مقلد کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے ۔ اہل حدیث ایک الگ جماعت ہے ۔ جو کسی امام کی مقلد نہیں ۔

تقلید کے دائرہ میں بھی یہاں دیگر ائمہ کرام کے پیرو موجود ہیں ۔ شافعی بھی ہیں ۔ مالکی اور حنبلی بھی ، کیا ہمیں ان سب کے لئے الگ الگ نصاب بنانا پڑے گا ۔ اور سب کے لئے مساجد اور مدارس ، امامت اور خطابت اور ملک کے قانون و آئین میں الگ انتظامات کرنے ہوں گے ۔ اور کیا کسی بھی مختلف مکتب فکر سے رکھنے والے دو چار افراد کی خاطر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی دینیات ، ان کی فقہ ان

کے آئین اور قانون کو مشق ستم بنایا جائے گا۔

اگر شیعہ فروعی اختلاف کی بناء پر علیحدگی کے حقدار ہیں، تو خود شیعوں کے اندر آپس میں کتنے فروعی بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ پھر کیا وہ اپنے دیگر مکاتب فکر اور گروہ در گروہ فرقوں کو بھی علیحدگی کا یہ حق دینے پر تیار ہوں گے۔ یہ صرف خدشات نہیں وزیر تعلیم پیرزادہ صاحب نے ۱۳ر اکتوبر ۷۷ء کے اعلان میں یہ اشکال پیش کر دیا ہے۔ ہم جب اس مسئلہ کو اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف سے بھی مطالبے کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسماعیلیوں اور بوہروں کی طرف سے بھی ہم سے مطالبے کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ نوائے وقت راولپنڈی ۷ر مئی ۱۹۷۳ء اور عیسائیوں کی طرف سے بھی ہر تعلیمی ادارہ میں بائبل ٹیچر رکھنے کا مطالبہ شائع ہوا ہے۔

عقائد اور نظریات کے لحاظ سے اس فیصلے کا جائزہ لیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ اہل سنت والجماعۃ اس صورتحال کو کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے۔ وہ تمام صحابہؓ کو سرچشمہ ہدایت اور معیار حق سمجھتے ہیں۔ بالخصوص شیخین (حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ) کی افضلیت ان کا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ (بشمول حضرت علیؓ و ابن ہما حسنؓ و حسینؓ) کی عظمت و حرمت اور ان کی تعدیل و تقدیس جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اہل بیت اطہار و ابرار کی قدر و منزلت بھی لازمۂ ایمان ہے۔

الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ کوئی منفیانہ ذہنیت کی بات نہیں۔ امام عالی مقام علی المرتضیٰ کی حیثیت سنی نصاب میں خلیفہ راشد کی ہے۔ حضرات اہل بیت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہیں فاطمہ بتول کی حرمت پر مرمٹنا ہم سعادت دارین سمجھتے ہیں کسی بھی صحابیؓ کی بے ادبی کرنا ضیاع ایمان اور حبط اعمال اور دائمی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سنی نصاب میں اہل بیت اور ائمہ اطہار کی ادنیٰ گستاخی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نصاب میں نہ کسی کو غاصب کہا جاتا ہے نہ کسی کے حق کو غصب شدہ نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم سب ابرار و اخیار، مقرب بارگاہ خداوندی اور "رحماء بینھم" کے مصداق ہیں موجودہ مروج نصاب دینیات کے کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دل آزاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

اب شیعہ معتقدات کو دیکھئے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں ان کے علمی اور دینی لٹریچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہؓ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی (معاذ اللہ) صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سمیت سب اجلہ صحابہ نعوذ باللہ غاصب اور ظالم تھے حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنین (رضی اللہ عنھن) کے بارہ میں ان کے عقائد کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیقؓ و فاروقؓ کی حیثیت ثانوی بھی نہیں۔ بلکہ حضرت علیؓ خلیفہ بلا فصل ہیں اور العیاذ باللہ نتیجۃً ان سے پہلے کے تینوں خلفاء ظالم اور غاصب تھے۔ شیعہ کے نزدیک ائمہ اثنا عشریہ سابقہ

تمام انبیاء سے بھی افضل ہے جبکہ اہلِ سنّت کے نزدیک نبوّت و رسالت کا مقام سب سے بلند و برتر ہے۔ عبادات میں نماز، اذان اور وضو تک کے احکام میں کافی اختلاف ہے۔ تقیہ (بوقت ضرورت جھوٹ) اور متعہ (مرد و زن کی باہمی رضامندی سے شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں، صحابہ کرامؓ پر لعن و طعن تبرّا بازی ان کا جزو دین ہے۔ "عقیدہ بداً" قرآن کی ابدیت اور شریعت کے ناقابلِ تنسیخ ہونے کی سراسر نفی کرتی ہے۔ اور اس طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں۔ جو ان کے ہاں دین کے اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہاں ان نظریات کی اچھائی یا برائی کی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ کیا اہلِ سنّت والجماعت مسلمان اپنے نونہال بچوں کے لئے ایک ہی سکول ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں، ایسے لٹریچر اور ایسے اساتذہ کی ایسی تعلیمات کو ایک لمحہ کے لئے گوارا کر سکیں گے۔ جس میں ان کے محبوب اسلاف پر تبرّا بازی کی گئی ہو۔ ان کو ظالم اور غاصب کہا گیا ہو، تقیہ اور متعہ کی شکل میں ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت بربادی کے خطرہ میں ہو آگ اور پانی کا یہ نباہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیا اس طرح ہر سکول کے اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات اور معتقدات مجروح نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ جس ہولناک اور بھیانک شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرف نظر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ حقیقت بین نگاہوں کا یہ اندازہ بجا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری سنّی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آسکتی ہے۔ اور شیعہ عقائد کی بنیادی اور اہم سطح پر اشاعت اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ پوری امت مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر شیعیت کی بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دلآزار بات نہیں ہوگی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصاب کی علیٰحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ اگر نصاب ایسے اختلافی مسائل اور معتقدات سے دور رکھنا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ نصاب جاری کرنے میں ان کا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہر حال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اسکی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ اسے سنّی بچوں کے عقائد کی دلآزارانہ آلائشوں سے دور رکھا جا سکے گا۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ کیا علیحدگی کا یہ مطالبہ صرف نصاب تعلیم تک محدود رہ سکتا ہے۔ شیعہ کمیٹی کے مطالبات میں اوقاف کی علیحدگی بھی شامل ہے۔ تبرّا بازی (برسرِ عام صحابہؓ پر سب و شتم) کی کھلی چھوٹ دیئے جانے پر اصرار ہے۔ چنانچہ جداگانہ نصاب دینیات کے فیصلہ کے بعد ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر ۷۸ء اور شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ ابھی ہم فارغ نہیں ہوتے بلکہ فوجداری کی سہولتیں حاصل کرنا اور اسکی پابندیاں ختم کرانی ہیں —— آگے چل کر ان مطالبات کا

دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کی ہر یونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لئے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی معاملات کے لئے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ذاتی معلومات کی بناء پر ایک ذمہ دار عیسائی افسر فوج کے ہر یونٹ میں مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر کی خواہش کر بھی چکے ہیں۔ قادیانیوں کو جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اس رسوخ کی بناء پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ کیا یہ صورت حال ملک کے دفاع، سالمیت، اور افواج کی یکجہتی اور یگانگت کیلئے مضر نہیں ہو گی۔

مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لئے سنی آبادی کے ہر محلہ اور ہر گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابل برداشت بوجھ بھی محکمۂ اوقاف پر ڈال سکتی ہے۔

آزادیٔ رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذہان کو شاید یہ صورتحال بہت پسند آئے کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ کی ۹۰، ۹۵ فیصد اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ۵، ۱۰ اقلیتی بچوں کی خاطر پانچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں، لیکن اس طرح اس نظریہ کا کیا حشر ہو گا جو قیام پاکستان کا باعث بنا، اور جسے اب کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں ہی سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں۔ یعنی ــــ دو قومی نظریہ ــــ ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجارٹی کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی قوت حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے ساتھ برابر حصہ دینا تھا تو کیا یہ مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیا مسلمان برصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح مطالبات سے اپنے الگ تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس بلاشبہ اگر یہاں مجارٹی اور مینارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تاریخ کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔

الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے۔ اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں تو ایسے فیصلے ملک کی رہی سہی اساس اور بنیاد دو قومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہوں گے۔

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ وغیرہ کو سنی نصاب تعلیم پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے لئے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں، کوئی

اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی لیکن وہ اس آڑ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتے نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا جبری راستہ نکال سکتے ہیں۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جو نام نہاد سیکولر سٹیٹ ہونے کا دعویدار ہے لیکن وہاں کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں ہندوانہ ذہنیت اور ہندو رسم ورواج اور تعلیمات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہوگیا تو مسلمانوں نے اس کے لئے الگ مکاتب کھولے پرائیویٹ ادارے قائم کئے۔ مگر وہ بھارت کو مجبور نہیں کرسکے کہ ان کے لئے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے۔

اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجئے تو کیا ایک ایسا ملک جس کی ۷۵ فیصد آبادی اقتصادی بدحالی اور پسماندگی کی وجہ سے لازمی بنیادی تعلیمی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ جہاں کی دور افتادہ دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی ناآشنا ہیں کسی ایسے دوہرے نصاب اور نظام تعلیم کا متحمل ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے تعلیمی مصارف دوگنا ہوجائیں۔ چنانچہ وفاقی وزیر تعلیم نے ۱۴ اکتوبر کے اس فیصلہ کے بارہ میں اپنے بیان میں خود اعتراف کیا ہے کہ دینیات پڑھانے کیلئے الگ الگ استادوں کے انتظام کرنے کی صورت میں ملک بھر کے صرف سرکاری سکولوں پر دس کروڑ پچیس لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔

ہم موجودہ سکولوں کو فرنیچر بنیادی سامان اور ضروری سٹاف مہیا نہیں کرسکتے۔ تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب اس کے لئے الگ اساتذہ اور اور کتابوں کے اخراجات کہاں سے پورے کرسکیں گے۔ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجہ میں فائدہ کتنا حاصل ہوگا؟

ہمارے خیال میں ملک کی ۸۰ فیصد یا خصوصی دیہاتی آبادی ایسی ہے جہاں کے کسی سکول میں آپ کو ایک بھی شیعہ بچہ نہیں مل سکے گا۔ ۲۰ فیصد تعلیمی ادارے اور سکول ایسے ہوں گے جہاں شیعہ بچوں کی شرح دس فیصد سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوگی۔ لیکن ایک عام پالیسی کے تحت ہر سکول کو دو دو نصاب فراہم کرنے ہوں گے۔ بلکہ متصادم نظریات اور تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ بھی، اس لئے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہوگا۔ نہ شیعہ حضرات ایسے اساتذہ سے پڑھنا گوارا کریں گے۔ پھر جب دینیات کے اساتذہ دونوں نصابوں کے لئے ضروری ٹھہرے تو فرض کیجئے ملک کی ۹۵ فیصد آبادی کے لئے ہمیں دس ہزار اساتذہ رکھنے ہیں تو ہمیں اتنی ہی تعداد ۵ فیصد آبادی کے لئے بھی رکھنے پڑ جائیں گے۔ یہ صورتحال ملازمتوں کے تناسب سے کتنی قابل افسوس ہوگی۔

ایک اور زاویہ سے دیکھئے تو قومی یکجہتی کے متعلق حکومت کی دوغلی پالیسی پر تعجب ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ جب قوم کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے

کا مطالبہ کرتی رہی تو اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا رہا ہے۔ کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے۔ اور افتراق و انتشار کی راہ کھلتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانستہ یا نادانستہ تحفظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصولی مطالبہ "مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور تشخص" کو بھی ایک عرصہ تک بے دردی سے ٹالا جاتا رہا، لیکن دوسری طرف ایک ایسے فرقہ کو علیحدگی کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے جسکی علیحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کیطرف سے کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ وابستہ رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ پہلا مطالبہ "قادیانیوں کی علیحدگی" قومی یکجہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی معقول اور ضروری تھا۔ جبکہ دوسرے مطالبے (شیعوں کی علیحدگی) سے قومی یکجہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابل اعتناء ہیں۔ اور نہ اس کے ٹوٹ جانے پر مسلمانوں کے اندیشے لائق التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دورخی پالیسی پر سوائے حیرت کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

ایک بات دوست شیعہ حضرات کیلئے ان مطالبات کے رد عمل کی شکل میں قابل غور ہے۔ اگر ایسے مطالبات سنی مسلمانوں کیطرف سے شروع ہو جائیں کہ آئندہ الگ تشخص کی وجہ سے شیعہ حضرات کو سول سروس فوج وغیرہ کی ملازمتوں اور دیگر حقوق و مراعات میں بھی شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا جائے تو کیا اس مطالبہ کو نامعقول کہا جا سکے گا۔ اس طرح اگر شیعہ حضرات اہل سنت سے اپنے اختلافات کو اصولی قرار دینے پر مصر رہے تو مسلمانوں کے لئے سوچنا ہو گا کہ ایسے اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص مسلمان کے دائرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں یا ایسے اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں۔؟ یہ اور اس قسم کے بیشمار مسائل اسکے رد عمل میں ظاہر ہو سکتے ہیں ——— پھر شیعہ حضرات شاید اسے گھاٹے کا سودا سمجھ کر پچھتانے لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہو گا۔

آخر میں اس فیصلہ کو قابل عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھئے کہ یہ جبری طور پر کہاں تک نافذ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجئے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور صوبہ جداگانہ نصاب کے اس فیصلہ کو مسترد کر دیتی ہیں تو مرکز اسے جبراً ٹھونس کر کتنے خطرات میں ملک کو ڈال سکتی ہے۔؟ اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر بھی دیں لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں گروہی حمیت انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی سنی مسلمانوں کے بھی اور تعلیمی اداروں کے اہل سنت نوجوانوں میں دینی و ملی احساسات کا شعور بیدار ہوا اور ۹۵ فیصد طلباء نے اس فیصلہ کو مسترد کر دیا تو ملک کے امن و امان کا کیا بنے گا جسکی ملک کی تعمیر نو کے لئے نہایت ضرورت ہے۔ ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملت کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری دردمندانہ گذارش ہے کہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے ملک کو منافرت افتراق اور خانہ جنگی کے راستوں پر نہ ڈالا جائے۔ پہلے سے لسانی، علاقائی اور قومی مسائل کا عفریت ہمیں ہڑپ کر رہا ہے اگر ملت کی شیرازہ بندی کرنے کی بجائے ایسے دیگر مسائل کو ہوا دی گئی تو اسے کسی سوچی سمجھی سازش کی ایک کڑی ہی سمجھا جائے گا۔ اور ملک کے باشندوں میں باہمی اعتماد اور خیر سگالی کی فضا قائم رکھنا مشکل ہو جائیگا۔ لہٰذا اس روز بد اور اسکے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ سمیع الحق

بحث و نظر

اسلامی معاشیات

جناب مولانا محمد طاسین صاحب ۔ کراچی

مشینوں پر زکوٰۃ

ماہنامہ بینات شمارہ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ میں زیر عنوان "مشینوں اور فیکٹریوں کی زکوٰۃ" ایک عربی عبارت بغیر ترجمہ شائع ہوئی ہے جو محترم ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب نے کوالالمپور سے بینات کو بغرض اشاعت بھیجی ہے شروع میں لکھا ہے کہ یہ عبارت جناب یوسف القرضاوی صاحب کی کتاب فقہ الزکوٰۃ سے لی گئی ہے۔

مقصد اس عبارت کو بھیجنے اور شائع کرنے کا یہ ہے کہ قارئین بینات کو یہ معلوم ہو جائے کہ موجودہ دور کے ایک نامور فقیہ جناب یوسف القرضاوی صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ کارخانوں کے مشینی سرمائے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اور یہ کہ جن دلائل کی بنیاد پر موصوف کی یہ رائے ہے وہ ان کی اس عربی عبارت میں مذکور ہیں۔

جیسا کہ قارئین بینات کو معلوم ہے کہ مجھے اس مسئلہ سے دلچسپی ہے اور میں اس کے متعلق اپنے علم و فہم کے مطابق کافی لکھ چکا ہوں، اس سلسلہ کے میرے دو مضمون بینات میں شائع ہو کر قارئین بینات کی نظر سے گذر چکے ہیں اور تیسرا جو اسی سلسلہ کی ایک خاص کڑی تھا۔ بینات کی بجائے ماہنامہ الولی شمارہ مارچ ۷۴ء میں شائع ہوا جو شاہ ولی اللہ اکاڈیمی حیدرآباد سندھ کی طرف سے نکلتا ہے۔ میں نے اس مسئلہ کے متعلق اب تک جو کچھ پڑھا، سوچا اور سمجھا ہے۔ اس کی بنا پر میری ناچیز رائے یہ ہے کہ کارخانوں اور خاص طرح کی کرائے پر چلائی جانے والی کمرشل بلڈنگوں کے سرمائے پر اسی طرح زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جس طرح دوسرے کسی تجارتی سرمائے پر عائد ہوتی ہے۔ اور جن دلائل کی بنیاد پر میری یہ رائے ہے۔ میں ان کو اپنے مضامین میں پیش کر چکا ہوں۔ اسی طرح میں ان دلائل پر بھی بحث کر چکا ہوں جو ان حضرات کی طرف سے اب تک سامنے آئے ہیں۔ جن کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ سرمائے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

اور پھر جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، میرا مقصد تحقیق حق ہے۔ لہذا جس وقت بھی جس کی طرف سے بھی میرے سامنے کوئی ایسی دلیل آئے گی جس سے میری رائے کا غلط اور دوسرے حضرات کی رائے کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہو گا میں اپنی رائے سے رجوع کا اعلان کر دوں گا۔

محترم یوسف القرضاوی صاحب نے اس عبارت میں جو دلائل پیش فرمائے ہیں۔ بغور پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ان کا تعلق فقہی اصولوں سے کم اور وقتی مصالح سے زیادہ ہے اور عقلی و منطقی طور پر اتنے کمزور ہیں کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، فریق بحث ہونے کی حیثیت سے ضروری معلوم ہوا کہ ان دلائل پر کچھ اظہار خیال کیا جائے اور بتلایا جائے کہ ان دلائل میں کہاں اور کیا سقم اور ضعف ہے۔ اور کیوں قابل اعتماد نہیں ——۔

پہلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ زکاۃ چونکہ عروض تجارت پر واجب ہوتی ہے اور عروض تجارت کی تعریف ہے: کُلُّ مَا اُعِدَّ لِلْبَیْعِ مِنَ الْاَشْیَاءِ بِغَرَضِ الرِّبْحِ۔ وہ تمام چیزیں جو نفع کی غرض سے بیچنے کے لئے تیار کی گئی ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ کارخانے میں لگی ہوئی مشینیں اور کرائے پر چلائی جانے والی عمارتیں بیچنے اور فروخت کرنے کے لئے نہیں ہوتیں۔ لہذا وہ عروض تجارت کی مذکورہ تعریف میں نہیں آتیں، جب عروض تجارت کی تعریف میں نہیں آتیں تو پھر ان پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوتی۔

اس پہلی دلیل میں جو کمزوری اور خرابی ہے وہ یہ کہ اس کی بنیاد عروض تجارت کی جس تعریف پر قائم ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ اس تعریف میں تجارت کو بیع کے ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ بیع خاص اور تجارت عام ہے۔ بیع کا اطلاق صرف اس معاشی معاملے پر ہوتا ہے جس میں بصورت خرید و فروخت مال کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے، بخلاف تجارت کے کہ اس کا اطلاق معاملۂ بیع پر بھی ہوتا ہے۔ اور کاروبار کی ان دوسری شکلوں پر بھی ہوتا ہے جن میں [illegible] کے ساتھ محنت کر کے نفع کمایا جاتا ہے۔ لہذا تجارت کا صحیح ترجمہ بزنس اور دھندا ہے۔ تجارت اور بیع کے درمیان عام اور خاص کا جو فرق ہے۔ اس کا اظہار قرآن حکیم کی بعض آیات سے بھی ہوتا ہے۔ جیسے یہ آیت: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ، وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں نہ تجارت اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کرتی ہے اور نہ بیع، اس آیت میں تجارۃ معطوف علیہ اور بیع معطوف ہے۔ اور چونکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ یہاں وہ مغایرت عام و خاص کی ہے، تفسیر قرطبی الجامع لاحکام القرآن میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک روایت بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ:

إن رجلين كانا في عهد النبي صلى الله عليه وسلم أحدهما بياعًا فإذا سمع النداء بالصلاة فإن كان الميزان بيده طرحه ولا يضعه وضعا وإن كان بالأرض لم يرفعه وكان الآخر قينا يعمل السيوف للتجارة فكان إذا كانت مطرقته على السندان أبقاها موضوعة وإن كان قد رفعها ألقاها من وراء ظهره إذا سمع الأذان فأنزل الله تعالى هذا ثناء عليهما وعلى كل من اقتدى بهما۔ ص ۲۷۹ ج ۱۲ تفسیر القرطبی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو شخص تھے۔ ایک خرید و فروخت کرنیوالا دوکاندار، جب وہ اذان سنتا تو فوراً ترازو کو ہاتھ سے پھینک دیتا اور اس کو اپنی جگہ ٹھیک طریقہ سے بھی نہ رکھتا، اور اگر ترازو زمین پہ ہوتا تو اس کو نہ اٹھاتا، اور دوسرا لوہار تھا جو تجارت کیلئے تلواریں بناتا تھا، جب اذان سنتا تو اگر ہتھوڑا سندان پہ ہوتا تو اس کو وہیں رکھ دیتا اور اگر ہاتھ میں اٹھائے ہوتا تو پیچھے ڈال دیتا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کی مدح و تعریف میں نازل فرمائی اور جو انکی پیروی کرنیوالے تھے انکی مدح میں۔

...

اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کاریگر اور صنعت کار کمانے کی غرض سے جو پیشہ ورانہ محنت کرتا ہے اس پر بھی تجارت کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہذا تجارت اور بیع کو ہم معنی قرار دینا غلط ہے۔ تجارت عام اور بیع خاص ہے۔ اس کی تشریح علامہ ابوبکر جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں آیت إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں: قد دخل في قوله تعالى إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ عقود البياعات والإجارات والهبات المشروطة فيها الأعواض۔ پھر کچھ آگے نہایت وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں "إن اسم التجارة أعم من اسم البيع لأن التجارة ينتظم عقود الإجارات والهبات الواقعة على الأعواض والبياعات۔ ان عبارتوں سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ علامہ جصاص کے نزدیک تجارت عام اور بیع خاص ہے۔

فقہ حنفی کی کتاب جامع الرموز میں تجارت کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ "التجارة هي التصرف في المال للربح" تجارت نام ہے نفع کے لئے مال میں تصرف کرنے کا۔ المغنی میں تجارت کی جو تعریف ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "عقد التجارة هو كسب المال بالمال بعقد الشراء أو إجارة أو استقراض" عقد تجارت نام ہے مال کے ذریعے مال کمانے کا عام ہے کہ وہ معاملہ بیع وشراء کے طریقہ سے ہو یا اجارے کے طریقہ سے یا استقراض کے طریقہ سے۔

فقہ شافعی کی کتاب تحفۃ المحتاج میں تجارت کی تعریف یہ لکھی ہے۔ التجارة هي تقليب المال

بالتصرف فیہ بقلب النماء" اس پر علامہ عبدالحمید الشروانی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مغنی المحتاج اسنیٰ المطالب اور النہایہ میں تجارت کی تعریف یہ ہے: "التجارۃ تقلیب المال بالمعاوضۃ لغرض الربح" اور پھر دونوں میں تطبیق دینے کے لئے فرمایا: "اذ المراد بالتصرف فیہ للبیع ونحوہ من المعاوضات" فقہائے کرام کی ان تعریفوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجارت کو عام اور بیع کو خاص سمجھتے ہیں۔

کتب لغت میں سے تاج العروس میں تجارت کی تعریف جن الفاظ سے کی گئی ہے وہ یہ ہے:

"التجارۃ تقلیب المال لغرض الربح" تجارت نام ہے نفع کی غرض سے مال میں الٹ پھیر کرنے کا۔ مفردات امام راغب میں تجارت کی تعریف ان الفاظ کی گئی ہے: "التجارۃ التصرف فی راس المال طلبا للربح" تجارت راس المال میں اس تصرف اور ردوبدل کا نام ہے جو منافع کی غرض سے ہو۔ واضح رہے کہ بعض کتابوں میں تجارت کی تعریف "مبادلۃ المال بالمال" سے جو کی گئی ہے وہ تجارت کی ایک مشہور و معروف قسم کی تعریف ہے جس کا دوسرا نام بیع ہے۔ کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے جب تجارت کا لفظ بولا جاتا ہے تو فوراً ذہن اسی طرف منتقل ہو جاتا ہے گویا کہ تجارت نام ہی خرید و فروخت کا ہے حالانکہ باعتبار اصل حقیقت کے ایسا نہیں اصل کے اعتبار سے تجارت بمنزلہ جنس اور بیع بمنزلہ اس کی ایک نوع کے ہے۔

تجارت سے متعلق کتب تفسیر، فقہ اور لغت سے جو تفصیل عرض کی گئی ہے اس سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ جناب یوسف القرضاوی صاحب نے اپنی پہلی دلیل کی بنیاد عروض تجارت کی جس تعریف پر رکھی ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے لہذا جب ان کی دلیل صحیح نہیں تو پھر اس کا نتیجہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

محترم قرضاوی صاحب نے عروض تجارت کی تعریف کے ساتھ جو حدیث نقل کی ہے اگر وہ اس لئے ذکر کی ہے کہ اس سے یہ تعریف مکمل اور ثابت ہوتی ہے تو یہ بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ عروض تجارت صرف وہ اشیاء ہیں جو بغرض فروخت کے لئے متعین کر دی گئی ہوں اور ان کے سوا باقی اشیاء عروض تجارت میں داخل نہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرھم ان یخرجوا الزکاۃ مما یعد للبیع۔ ان الفاظ سے زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے جو بیع کے لئے تیار کی گئی ہوں۔ چونکہ اس حدیث میں حصر کا کوئی حرف موجود نہیں جس سے باقی چیزوں پر زکوٰۃ کی نفی ہوتی ہو لہذا اس حدیث سے یہ مطلب لینا درست نہیں کہ زکوٰۃ صرف ان چیزوں پر واجب ہے جو فروخت کے لئے تیار کی گئی ہوں ان کے سوا باقی چیزوں پر واجب نہیں۔

ہاں اگر کسی کو یہ ثابت کرنا ہو کہ مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے تو وہ اس حدیث نبوی کو اس کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کرسکتا ہے کیونکہ جو مال فروخت کے لئے تیار کیا گیا ہو وہ چونکہ مالِ تجارت کی ایک قسم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب ہونے سے مطلق مالِ تجارت پر زکوٰۃ کا واجب ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ لیکن اس میں تو کسی کو کوئی اختلاف ہی نہیں سب مانتے ہیں کہ مالِ تجارت پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اختلاف جس بات میں ہے وہ یہ کہ کون کون سے اموال، مالِ تجارت میں شامل ہیں اور کون سے شامل نہیں، سو اس کے متعلق اس حدیث میں کوئی تفصیل نہیں لہٰذا اس حدیث کو یہاں ذکر کرنا بے محل و بے موقع ہے۔۔۔۔۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث پر فقیہانہ انداز سے غور کیا جائے تو اس سے الٹا ان اموال پر بھی زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہوتا ہے جن کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دینے کے لئے محترم قرضاوی صاحب نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے، وہ اس طرح کہ اس حدیث میں اموالِ بیع پر وجوب زکوٰۃ کا جو حکم ہے اس کی علت اگر یہ مانی جائے کہ ایسا مال چونکہ اپنے مالک کی حاجت اصلیہ سے فاضل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ جیسا کہ فقہائے کی رائے ہے، یا اس کی علت یہ قرار دی جائے کہ ایسا مال چونکہ نامی ہوتا ہے۔ یعنی "کون المال معداً للاستنماء" کے تحت آتا ہے۔ جیسا کہ حنفی فقہا کی رائے ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب ٹھہرائی گئی ہے۔ بہرحال پہلی علت ہو یا دوسری دونوں علتیں زیرِ بحث مال میں پائی جاتی ہیں۔ وہ مالک کی حاجت اصلیہ سے فاضل بھی ہوتا ہے۔ اور نامی یعنی معداً للاستنماء بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے بطریق قیاس زیرِ بحث اموال پر بھی زکوٰۃ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اس کے بعد اب جناب قرضاوی صاحب کی دوسری دلیل کو لیجئے، جس کو منطقی اسلوب سے بیان کیا جائے تو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔ "اگر ہر اس سرمائے کو مالِ تجارت قرار دیا جائے جس کو اس کے مالک نے نفع کمانے اور اپنا تمول بڑھانے کی غرض سے کسی کاروبار میں لگا رکھا ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مزروعہ زمین پر بھی اس کی قیمت کے لحاظ سے ہر سال زکوٰۃ واجب ہو کیونکہ اس صورت میں مزروعہ زمین بھی مالِ تجارت کی تعریف میں آجاتی ہے، حالانکہ یہ لازم باطل ہے۔ اس لئے کہ شرعی نصوص سے صاف ثابت ہے۔ کہ زرعی زمین پر اس کی قیمت کے لحاظ سے ہر سال زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کی پیداوار پر عشر کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز باطل کو مستلزم ہو وہ باطل ہوتی ہے لہٰذا مالِ تجارت کی مذکورہ تعریف باطل ہے۔"

اس دلیل سے مقصد دراصل مالِ تجارت کی اس تعریف کو باطل اور غلط ثابت کرنا ہے۔ جس کی رو سے

زیر بحث مشینی اور عمارتی سرمائے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس دلیل سے ہرگز یہ مقصود ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ دلیل جس مفروضے پر مبنی ہے وہی سرے سے غلط ہے۔ مطلب یہ کہ مالِ تجارت کی مذکورہ تعریف کو صحیح مان لینے سے وہ باطل لازم ہی نہیں آتا جس کی وجہ سے اس تعریف کو غلط اور باطل ثابت کیا گیا ہے، اس کی وضاحت یہ کہ اگر اس دلیل میں زمین سے مراد وہ زمین ہے جس میں ایک کاشتکار خود محنت کر کے روزی کماتا اور اس پر وقت گزارتا ہے۔ گویا اپنی معیشت کے لئے اس زمین کا محتاج اور ضرورتمند ہوتا ہے تو ایسی زمین مالِ تجارت کی مذکورہ تعریف میں نہیں آتی کیونکہ اس میں یہ قید ہے کہ جو مال مزید بڑھانے اور اپنے تمول میں اضافہ کرنے کی غرض سے کسی کاروبار میں لگایا گیا ہو وہ مال تجارت ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا مال وہی ہو سکتا ہے۔ جو مالک کی حاجات اصلیہ سے فاضل ہوتا ہے۔
بخلاف مذکورہ زمین کے کہ وہ تمول اور غنا کو بڑھانے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ ضروریات حاصل کرنے اور وقت گزارنے کے لئے ہوتی ہے۔ گویا اس کی حیثیت ان چیزوں کی سی ہوتی ہے جو حوائج اصلیہ میں داخل ہوتی ہیں۔ لہٰذا جب یہ زمین مالِ تجارت کی تعریف میں ہی نہیں آتی۔ تو پھر اس پر مالِ تجارت کی طرح زکوٰۃ واجب ہونا کیسے لازم آ سکتا ہے۔ دراصل ایسی زمین اس آلے اور مشین کی طرح ہے جس کے ساتھ کوئی کاریگر خود کام کر کے رزق و مال کماتا ہے، یا اس کرائے کے مکان کی طرح ہے۔ جس کی آمدنی پر وہ گذر بسر کرتا ہے۔ جس سے مقصود اپنی فاضل دولت کو بڑھانا اور بنک بیلنس میں اضافہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی نگرانی اور دیکھ بھال وغیرہ کر کے اس کی آمدنی سے ضروریات پورا کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح اس مشین پر زکوٰۃ واجب نہیں جس کے ساتھ کاریگر خود کام کر کے کمائی کرتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی زیادہ قیمت کی کیوں نہ ہو، اور جس طرح اس مکان پر زکوٰۃ نہیں جو ضروری ذریعہ معاش کی حیثیت رکھتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی زیادہ قیمت کا کیوں نہ ہو اسی طرح اس خطہ زمین پر بھی زکوٰۃ نہیں جس کو کوئی شخص خود کاشت کر کے اس کی پیداوار پر گزارہ کرتا ہے۔

اور اگر اس دلیل میں ارض سے مراد وہ طویل و عریض خطۂ ارضی ہے جس کو ایک غنی شخص اپنے فاضل مال سے اس لئے خریدتا اور ماہرین وغیرہ کی مدد سے اس میں زرعی فارم قائم کرتا ہے کہ اپنے مال کو بڑھائے اور اپنے تمول میں مزید اضافہ کرے تو ایسی اراضی یقیناً مالِ تجارت کی مذکورہ تعریف میں آتی اور اس پر بلحاظ قیمت مالِ تجارت کی طرح زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لیکن اس میں شرعاً کوئی خرابی نہیں کیونکہ قرآن و حدیث اور فقہ میں زرعی زمین پر عشر کے متعلق جو نصوص ہیں وہ پہلی قسم کی زمین سے متعلق ہیں اس دوسری قسم کی زمین سے متعلق نہیں، اس لئے کہ عہدِ رسالت، عہدِ صحابہ اور عہدِ تدوینِ فقہ میں اس دوسری قسم کی زمین یعنی زرعی فارموں کا وجود ہی نہ تھا۔ اور ہوتا بھی کیسے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مزارعت وغیرہ سے منع فرما

دیا تھا اور زراعت کی بجائے تجارت کی ترغیب فرمائی تھی، بہرحال یہ واقعہ ہے کہ یہ بڑی بڑی زرعی فارم جن میں مشینوں کے ذریعے ماہرین زراعت اور زرعی مزدور کام کرتے ہیں اور جن میں لاکھوں کا سرمایہ خرچ کر کے بکثرت نفع کمایا جاتا ہے اور ان سے مقصود اپنی دولت میں اضافہ کرنا اور تمول کو بڑھانا ہوتا ہے دورِ جدید کی پیداوار ہیں۔ لہذا ان پر ان شرعی نصوص کو منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ جو پہلی قسم کی اراضی سے متعلق ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان نئی قسم کی زرعی اراضی پر بھی زکوٰۃ کا مسئلہ اسی طرح کا نیا مسئلہ ہے۔ جس طرح کہ کارخانوں اور اسی طرح کی عمارتوں پر زکوٰۃ کا مسئلہ ایک نیا مسئلہ ہے۔ لہذا اس کو بھی اسی طرح حل کرنے کی ضرورت ہے جس طرح کہ زیرِ بحث کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔

بہرحال اس دوسری دلیل سے نہ تو مالِ تجارت کی مذکورہ تعریف غلط اور باطل قرار پاتی ہے۔ اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیرِ بحث سرمایہ زکوٰۃ کے تحت نہیں آتا، گویا دلیل اور دعوے کے مابین کوئی عقلی ربط و تعلق ہی نہیں۔

اب اس تیسری دلیل کی طرف آیئے جو محترم قرضاوی صاحب نے زیرِ بحث مشینی اور عمارتی سرمائے کو زکوٰۃ سے خارج کرنے کے لئے پیش فرمائی ہے۔ اس دلیل میں جو کھوکھلا پن ہے۔ اُسے واضح کرنے سے پہلے ایک اصولی بات عرض کر دینا ضروری ہے جو قانون سازی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اور وہ یہ کہ قانون کا تعلق ہمیشہ کسی شئے کے اُن حالات و کوائف سے ہوتا ہے جو عموم و کثرت کے ساتھ اس شئے میں ظہور میں آتے ہیں، اس میں اس شئے کے اُن حالات کا اعتبار نہیں ہوتا جو اس سے شاذ و نادر اور اکا دکا کبھی ظہور میں آتے ہیں ورنہ تو پھر کسی شئے کے متعلق کبھی کوئی قانون بن ہی نہ سکتا، کیونکہ ہر شئے میں کچھ نہ کچھ ایسی شکلیں ضرور موجود ہوتی ہیں جن کی رو سے وہ قانون جائز اور درست نہیں معلوم ہوتا لیکن کبھی بھی اُن استثنائی شکلوں کی وجہ سے قانون کو ناجائز قرار نہیں دیا گیا ورنہ تو ہم معاشرے کا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا اور ہر طرف لاقانونیت کا دور دورہ ہوتا، اور چونکہ قانون کا تعلق کسی شئے کے ان حالات سے ہوتا ہے جو اس سے اکثر اور بیشتر رونما ہوتے ہیں لہذا کوئی قانون حقیقی معنوں میں کلی نہیں ہوتا بلکہ ہر قانون عمومی اور اکثریتی ہوتا ہے۔ اس مسلّمہ اور متفق علیہ اصولی بات کو سامنے رکھتے ہوئے اس تیسری دلیل پر نگاہ ڈالئے تو اس کا مہمل اور غلط ہونا خود بخود واضح ہو جائے گا، اس تیسری دلیل کا مطلب اردو میں بیان کیا جائے تو اس کی صورت یہ ہو گی:

"چونکہ بعض دفعہ خاص حالات کی وجہ سے کارخانے اور عمارت کی آمدنی کا سلسلہ رک جاتا ہے۔ مثلاً مالک عمارت کو کوئی کرایہ دار نہیں ملتا، اسی طرح مالک کارخانہ کو خام مواد نہیں ملتا یا کام کرنے والے کاریگر

اور مزدور نہیں ملتے یا بازار میں تیار مال کی مانگ اور کھپت نہیں ہوتی لہٰذا کام بند ہونے سے آمدنی
کا ذریعہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے پاس کوئی دوسرا مال بھی نہیں ہوتا۔ اب اگر اس پر زکوٰۃ واجب ہو تو وہ
بیچارہ کہاں سے ادا کرے گا، اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ عمارت اور کارخانے کا کچھ حصہ فروخت کر کے
اسکی رقم سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے تو اس صورت میں اس کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ چیز منشائے
الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ اپنے بندوں کے لئے دشواری نہیں آسانی چاہتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ
وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ بالفاظ دیگر منطقی اسلوب سے اس دلیل کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے "اگر عمارت
اور کارخانے کے سرمائے پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے تو بعض مقامات میں اس کے مالک کو سخت
دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے دشواری اور تکلیف میں
پڑیں۔ لہٰذا مذکورہ سرمائے پر زکوٰۃ عائد کرنا درست نہیں"

اس دلیل میں محترم قرضاوی صاحب نے عمارت اور کارخانے نیز ان کے مالک کی جو حالت بیان
فرمائی ہے وہ بہت ہی کم کبھی کبھی وقوع میں آتی ہے ورنہ عام طور پر حالات دوسری قسم کے ہوتے ہیں،
چنانچہ اس کا اظہار خود قرضاوی صاحب کے ان الفاظ "قد یتوقف فی بعض الاحیان" سے بھی
صاف طور پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جناب قرضاوی صاحب نے عمارت اور کارخانے
اور ان کے مالک کے عام اور کثیر الوقوع حالات کی بجائے ایک نہایت قلیل الوقوع اور شاذ و نادر
حالت کو قانون کی بنیاد بنایا جو اصولاً غلط ہے۔ کیونکہ قانون میں کسی شے کے ان حالات کا اعتبار ہوتا
ہے جو اکثر و بیشتر اس میں پائے جاتے ہیں اس کے شاذ و نادر حالات کا اعتبار نہیں ہوتا

دوسری وجہ اس دلیل کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ اگر اس دلیل کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے
یہ لازم آتا ہے کہ اس صورت میں بھی عمارت اور کارخانے کے سرمائے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہئے
جب ان کے مالک نے ان کو فروخت کرنے کی غرض سے خرید رکھا ہو کیونکہ اس صورت میں بھی بعض دفعہ
ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ عمارت اور کارخانے کو کوئی خریدنے والا نہیں ملتا اور اس کے پاس کوئی دو
سرا اور مال بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسی حالت میں اس کے لئے زکوٰۃ ادا کرنا سخت مشکل و دشوار ہوتا ہے۔ حالانکہ
قرضاوی صاحب اس صورت میں نادری اور دشواری کا کوئی خیال نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس عمارت اور
کارخانے کے سرمائے پر بلحاظ قیمت زکوٰۃ واجب ہے۔ بہرحال اس کے مالک کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے
یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس دوسری صورت میں عسرت و دشواری کے باوجود مکان اور کارخانے پر زکوٰۃ
واجب ہو سکتی ہے تو پہلی صورت میں اس پر کیوں نہیں ہو سکتی؟ آخر اس کی عقلی وجہ کیا ہے؟ بالفاظ دیگر چونکہ

جب کہ اس عسر اور دشواری کی وجہ سے آپ پہلی صورت میں عمارت اور کارخانے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ جب وہی عسر اور دشواری دوسری صورت میں بھی موجود ہے تو پھر آپ اس دوسری صورت میں عمارت اور کارخانے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیوں نہیں قرار دیتے، آخر اس فرق کی عقلی وجہ کیا ہے۔؟

نیز غور کرنے سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اس دلیل میں محترم قرضاوی صاحب نے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جو زکوٰۃ کے نفس وجوب اور وجوب ادا کے مابین پایا جاتا ہے۔ ورنہ وہ وہ دشواری محسوس نہ فرماتے جس کی وجہ سے انہیں زیر بحث مال کو زکوٰۃ سے خارج کرنا پڑا۔ فقہاء رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ بعض صورتوں میں ایک شخص پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی اس وقت تک ملتوی رہتی ہے۔ جب تک کہ وہ ادا کرنے پر قادر نہیں ہو جاتا، یعنی شرعاً اس سے ادائیگی کا مطالبہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس کی ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس کی مثال وہ قرضہ ہے جو ایک تاجر کا مال تجارت کے بدلے میں کسی کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے۔ ایسے قرضے کے لئے فقہ میں "دین قوی" کا لفظ ہے۔ ایسے قرضے کی رقم پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی کا مطالبہ اسوقت ہوتا ہے۔ جب رقم وصول ہو جائے، مثلاً ایک تاجر نے کسی کو ایک ہزار روپے کا مال ادھار پر دیا اور یہ رقم پانچ سال کے بعد وصول ہوئی تو اس رقم پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لیکن وصول ہونے سے پہلے اس کی ادائیگی کا مطالبہ ملتوی رہتا ہے وصول ہونے پر پانچ سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ واجب تو ہوتی ہے لیکن اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، اسی طرح اگر اس حالت میں بھی جو قرضاوی صاحب نے اپنی دلیل میں پیش فرمائی ہے۔ عمارت اور کارخانے کے سرمائے پر زکوٰۃ تو واجب ہو لیکن اس کی ادائیگی اس وقت تک موخر رہے جب تک کہ مالک ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے تو اس میں وہ مشکل اور دشواری پیش ہی نہیں آتی جس کی بنا پر قرضاوی صاحب نے مذکورہ سرمائے کو زکوٰۃ ہی سے خارج کر دیا ہے۔

محترم قرضاوی صاحب کی چوتھی دلیل بھی پہلی تین دلیلوں کی طرح فہم و تفقہ کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کرتی، اگر فقہ اور فقاہت اسی کا نام ہے جو ان دلیلوں میں پائی جاتی ہے۔ تو پھر ان لفظوں کا سابقہ معنی و مفہوم یکسر بدل دینا چاہیئے۔

بہرحال اس چوتھی دلیل میں جو اصل بات کہی گئی ہے وہ یہ کہ اگر عمارتوں اور کارخانوں کے سرمائے پر ہر سال قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ تسلیم کر لی جائے تو اس میں عملی طور پر بڑی دقتیں اور دشواریاں ہیں وہ اسطرح کہ زکوٰۃ کے تعین کے لئے ہر سال ان کی قیمت کا اندازہ لگانا پڑے گا۔ تاکہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالی جا سکے۔ اور یہ ہر سال ان کی قیمت کا اندازہ لگانا بڑا مشکل اور دشوار کام ہے۔ کیونکہ ایک طرف مسلسل استعمال ہونے

رہنے سے ان کی قیمت روز بروز گھٹتی رہتی ہے۔ اور دوسری طرف جس طرح خارجی حالات واسباب کے
تحت دوسری اشیاء کی قیمتیں گھٹتی بڑھتی ہیں۔ اسی طرح عمارتوں اور کارخانوں کی قیمتیں بھی گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ لہذا
ہر سال ان کی قیمتوں کا تخمینہ لگانا نہایت مشکل مسئلہ ہے جس کو اس فن کے مخصوص ماہرین ہی حل کر سکتے ہیں جو بعض
دفعہ ملتے ہی نہیں اور ملتے ہیں تو ان کی مہارت سے فائدہ اٹھانے کے لئے خرچہ کی ضرورت ہوتی ہے۔
لہذا اس کھٹراگ اور کھیڑے سے بچنے کا اچھا طریقہ یہی ہے۔ کہ سرے سے عمارتوں اور کارخانوں کے سرمائے
پر زکوٰۃ تسلیم ہی نہ کی جائے، گویا نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

اس دلیل کو پیش کرنے والے جناب قرضاوی صاحب اپنی پہلی دلیل کے آخر میں لکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی
شخص عمارتوں اور کارخانوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے تو اس شکل میں ان عمارتوں اور کارخانوں پر
ہر سال قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے حالانکہ اس شکل میں بھی وہ تمام دقتیں اور دشواریاں
موجود ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے زیر بحث عمارتوں اور کارخانوں کو زکوٰۃ سے خارج کیا ہے۔ لہذا
ان دقتوں اور دشواریوں کا جو حل قرضاوی صاحب کے نزدیک اس دوسری شکل کے لئے ہو سکتا ہے۔
وہی حل بعینہ زیر بحث شکل کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں مطلب یہ کہ جو مکان اور کارخانے فروخت کرنے کی غرض سے خریدے
اور متعین کئے گئے ہوں سب کے نزدیک ایسے کارخانوں اور مکانوں پر ہر سال بلحاظ قیمت زکوٰۃ
واجب ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ہر سال جب ان پر زکوٰۃ کا تعین ہوگا تو ہر سال لازماً ان کی قیمتوں کا
تخمینہ کرنا پڑے گا اور اس میں وہ تمام دشواریاں ضرور پیش آئیں گی جن کا چوتھی دلیل میں ذکر کیا گیا ہے لیکن
چونکہ ان کی زکوٰۃ ادا کرنا بہرحال ضروری ہے لہذا ساری دشواریوں کے باوجود کسی نہ کسی طریقہ سے ان عمارتوں
اور کارخانوں کی قیمتوں کا تعین کرنا ہی پڑے گا کیونکہ اس کے بغیر یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ کس عمارت اور
کارخانے پر کتنی زکوٰۃ واجب الاداء ہے۔ تو جس طریقہ سے ان عمارتوں اور کارخانوں کی قیمتوں کا تعین ہوگا
اسی طریقہ سے زیر بحث عمارتوں اور فیکٹریوں کی قیمتوں کا بھی تعین ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں آج کی دنیا میں عمارتوں اور کارخانوں کی مالیت وقیمت کے تخمینے کا مسئلہ کچھ بھی مشکل
مسئلہ نہیں خصوصاً ان ممالک میں جن کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہے ان ممالک میں حکومتیں اپنے سرمایہ دار
شہریوں سے مختلف ناموں سے مختلف ٹیکس وصول کرتی ہیں جیسے انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، دولت ٹیکس
وغیرہ، پراپرٹی ٹیکس یعنی جائیداد ٹیکس کی تشخیص کے لئے جائیداد کی قیمت ومالیت کا اندازہ لگانا ضروری
ہوتا ہے اسی طرح سرمایہ ٹیکس کے تعین کے لئے کارخانوں وغیرہ کی مالیت کا جاننا ضروری ہوتا ہے لہذا

اس کے لئے باقاعدہ اصول وضوابط بنا دیئے گئے ہیں جن کی روشنی میں آسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت اس عمارت اور کارخانے کی مالیت اور قیمت کتنی اور کیا ہے۔

اور چونکہ اسلام یہ ذمہ داری حکومت کی قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے سمجھ دار و تجربہ کار کارندوں کے ذریعے زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کا انتظام کرے لہذا حکومت اپنے خصوصی ماہرین کے ذریعے باآسانی یہ تخمینہ لگا سکتی ہے کہ اس وقت کس عمارت اور کس کارخانے کی کیا مالیت اور کیا قیمت ہے۔ مطلب یہ کہ یہ کام افراد کے لئے مشکل ہو تو ہو لیکن حکومت کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اسی طرح یہ بھی بالاتفاق جائز ہے کہ حکومت زکوٰۃ کی آمدنی میں سے کارندوں کو ان کی خدمات کا معاوضہ دے سکتی ہے۔ لہذا حکومت کے لئے یہ بھی کچھ مشکل مسئلہ نہیں۔

اور پھر بڑے تعجب کی بات ہے کہ قرضاوی صاحب ایک طرف زیر بحث سرمائے کو زکوٰۃ سے خارج کر کے زکوٰۃ کی آمدنی میں کروڑوں روپے کی کمی کر دیتے ہیں اور دوسری طرف اس چوتھی دلیل کے آخر میں لکھتے ہیں:

ان کل هذا يقتضي جهودا ونفقات تنتقص اخيرا من حصيلة الزكاة۔ حضرات علماء کرام اس عبارت کو غور سے پڑھیں اور اس ذہنی کیفیت کا اندازہ لگائیں جس میں محترم قرضاوی صاحب مبتلا ہیں۔ اس عبارت کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ زیر بحث عمارتوں اور کارخانوں کی قیمت اور مالیت کا تخمینہ لگانے کے لئے ماہرین کی خدمات سے فائدہ اٹھانے میں خرچہ اٹھانا پڑے گا۔ اور اس سے زکوٰۃ کی آمدنی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ لہذا ان عمارتوں اور کارخانوں پر زکوٰۃ ہونی ہی نہیں چاہئے۔ بتلائیے اس سے زیادہ کفایت شعاری کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ کہ انسان ایک فیصد نقصان سے بچنے کے لئے سو فیصد کو ترک کر دے۔

میں سمجھتا ہوں میں نے مختصر طور پر قرضاوی صاحب کی چاروں دلیلوں کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان دلیلوں میں کتنی اور کیسی نقاہت ہے اور ان سے وہ مدعا ثابت ہوتا ہے۔ یا نہیں جس کے لئے یہ دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔ چنانچہ ابھی ان چار دلیلوں کے بعد آخر میں بطور نتیجہ قرضاوی صاحب نے جو لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محترم قرضاوی صاحب خود بھی اپنے دلائل سے کچھ زیادہ مطمئن نہیں، وہ عبارت یہ ہے:

لهذا نرى ان الاولى ان تكون زكوة العمارة والمصنع ونحوها في غلتها۔ مذکورہ دلائل کی وجہ سے ہماری رائے یہ ہے کہ بہتر یہ ہوگا کہ زکوٰۃ عمارت اور کارخانے کی آمدنی پر ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر قرضاوی صاحب اپنے دلائل ہی کو صحیح اور اپنے موقف ہی ... لفظ اولیٰ
کی بجائے لفظ صحیح اور حق استعمال فرماتے، لفظ اولیٰ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرضاوی ... دوسرے
موقف کو جس کی رو سے زیر بحث عمارتوں اور کارخانوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، غلط اور باطل نہیں سمجھتے
بلکہ اس کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ البتہ اپنے موقف کو اس کے مقابلہ میں بہتر سمجھتے ہیں، لہٰذا قرضاوی صاحب
ان علماء حضرات سے موافقت نہیں رکھتے جو مذکورہ سرمائے پر زکوٰۃ کی رائے کو قطعاً غلط اور باطل سمجھتے
ہیں، اور اس پر سختی سے مصر ہیں کہ مشینی سرمائے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ■■

احوال و کوائف
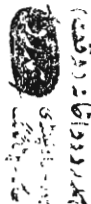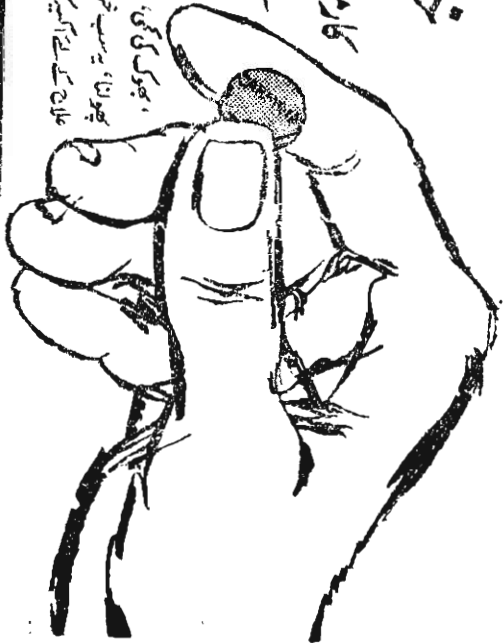
دار العلوم حقانیہ

سید صابر علی شاہ صاحب
ناظم دفتر دار العلوم

مجلس شوریٰ کا سالانہ جلسہ | دار العلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ بجٹ اجلاس دار الحدیث ہال میں نہایت کامیابی سے منعقد ہوا جس میں ملک کے مختلف حصوں سے ارکان نے شرکت کی اجلاس کی صدارت الحاج شیر افضل خان صاحب بدرشی نے فرمائی مولانا قاری محمد امین صاحب اور مولانا قاری سعید الرحمان راولپنڈی آغاز میں کلام پاک کی تلاوت کی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ مہتمم دار العلوم حقانیہ نے نئے سال کے بجٹ کی تشریح اور منظور شدہ بجٹ کی کمی بیشی کے اسباب اور سال رواں کے لئے تخمینی میزانیہ پر مشتمل ایک طویل رپورٹ پیش فرمائی اور دار العلوم کے مختلف تعلیمی انتظامی اور تعمیری شعبوں کی کارکردگی پر بھی روشنی ڈالی رپورٹ کے تمہیدی حصہ کے بعض اقتباسات یہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ عالم اسلام کی بالعموم اور پاکستان کی بالخصوص دینی، سماجی، اخلاقی اور تعلیمی ضعف و اضمحلال کی بناء پر اسلامی علوم کی نشر و اشاعت اور اسلامی اقدار و روایات کے احیاء کے مساعی بے حد اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔ مدارس عربیہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے کہا کہ :-

مدارس عربیہ کی اہمیت | تاریخ اسلام اور برصغیر کے نازک ادوار میں فتنوں کے باوجود اسلام کا اپنی شان بان سے قائم رہنا اور کتاب وسنت اور علوم شریعت کا اپنی شکل میں محفوظ رہنا محض خداوند قدوس کے فضل وکرم اور اس کے بعد تعلیمات نبویہ کے ایسے ہی مراکز و مدارس کا نتیجہ ہے۔ جو محض اللہ کے توکل پر نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اس چراغ کو روشن رکھ کر ایک نسل سے دوسری نسل تک امانت خداوندی پہنچانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

قادیانی مسئلہ کا آئینی حل | قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کو آپ نے اس سال کا ایک عظیم الشان اور اہم دینی واقعہ قرار دیا اور کہا کہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ دار العلوم کا اولین مقصد ہے۔ اور قادیانیوں کا آئین میں بھی غیر مسلم اقلیت قرار پا جانا دار العلوم کے لئے بے پناہ مسرتوں کا باعث ہے انہوں نے کہا کہ حتی المقدور

دارالعلوم کے طلبہ اس کے ترجمان ماہنامہ الحق اور خود بحیثیت رکن قومی اسمبلی اس مسئلہ کے حل میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے مجلس شوریٰ کی طرف سے تمام مسلمانوں، علماء، مجلس عمل، پارلیمنٹ اور وزیر اعظم بھٹو صاحب کو مبارکباد پیش کی اور مطالبہ کیا کہ اب اس مسئلہ کے ذیلی اور قانونی تقاضوں کو بھی قانوناً جلد پورا کیا جائے۔

علماء و مشائخ کی جدائی پر تعزیت | دارالعلوم کے بعض اہم اراکین معاونین اور ملک کی ان علمی و دینی شخصیتوں کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث نے ان کی عظیم خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور اجلاس میں باقاعدہ طور پر فاتحہ خوانی کے بعد دعائے مغفرت کی گئی مرحومین میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

۱. حضرت مولانا میاں سرت شاہ کاکاخیلؒ صدر مجلس شوریٰ۔
۲. حضرت علامہ مولانا عبدالمالک صاحب صدیقیؒ خانپوال۔
۳. حضرت علامہ مولانا عبدالحق نافع سابق استاد دارالعلوم دیوبند۔
۴. حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔
۵. مولانا شمس الدین شہید بلوچستان (جو دارالعلوم میں بھی زیر تعلیم رہے)
۶. اہلیہ محترمہ قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔
۷. مولانا دوست محمد صاحب قریشیؒ
۸. دارالعلوم کے دو نوجوان طلبہ مولوی صفۃ الرحیم وزیری شہید مولوی شاہ عالم وزیرستانی۔
۹. مولانا خیر محمد مہاجر مکہ مکرمہ
۱۰. مولانا مسعود آزاد۔
۱۱. مولانا عبدالمنان دہلوی مرحوم۔

سالانہ آمد و خرچ اور میزانیہ | حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بجٹ کے ضمن میں فرمایا کہ سال ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم کو دو لاکھ چھبیس ہزار پانچسو اٹھاون روپے اکہتر پیسے کی آمدنی ہوئی اور تمام شعبوں پر دو لاکھ چھبیس ہزار ایک سو چھپن روپے ستاسی پیسے خرچ ہوئے سال رواں ۱۳۹۴ھ کے لئے آپ نے دو لاکھ بچاسی ہزار دو سو بچاسی روپے کا میزانیہ پیش کیا جس میں اکتالیس ہزار پانچ سو پندرہ روپے ستاون پیسے کے خسارہ کے باوجود مجلس شوریٰ نے توکلاً علی اللہ اہل خیر کی متوقع امداد کے پیش نظر منظوری دی۔ ارکان شوریٰ نے بجٹ پر تقریریں کرتے ہوئے شعبۂ تبلیغ، تجوید و قرأت اور عربی تحریر و تقریر اور طلبہ کو فنی تعلیم کے شعبوں کے

قیام اور ترقی دینے پر زور دیا۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے شعبہ حفظ و تجوید، کتب خانہ دار المطالعہ اور دار التصنیف اور طلبہ کی رہائش گاہوں کی تعمیر کی ضرورت پر زور دیا انہوں نے کہا کہ سال گذشتہ ایک مہمان خانہ کی تعمیر ہوئی جو مکمل ہونے کے قریب ہے۔ اور دار التجوید والحفظ کی تعمیر کے لئے دار العلوم مغرب میں دو کنال زمین خریدی گئی ارکان نے دار العلوم کی تعلیمی و انتظامی ترقیات پر نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ نیز اسمبلی اور اسمبلی سے باہر دار العلوم اور ماہنامہ الحق کی خدمات پر نہایت اطمینان کا اظہار کیا۔ شرکاء اجلاس میں سے بعض نام یہ ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ۔ الحاج شیر افضل خان بدرشی، مولانا ولایت شاہ کاکاخیل، قاری محمد امین، قاری سعید الرحمان خطیب حاجی محمد عباس خان حاجی محمود صاحب راولپنڈی۔ جناب عبدالخالق خلیق۔ مولانا اشرف علی قریشی پشاور مولانا حبیب اللہ تنگی مولانا مجاہد خان۔ حکیم جمال الدین نوشہرہ۔ حکیم جمیل احمد صاحب۔ جناب یعقوب شاہ بادشاہ صاحب مردان۔ میاں مراد گل صاحب۔ میاں شاہ بادشاہ کاکاخیل خان۔ محمد حنیف خان شیدو۔ میاں عبدالحنان صاحب۔ مولانا عبدالرشید صاحب یار حسین۔ حاجی مطیع الرحمان صاحب مردان۔ میاں حکیم بادشاہ حشیمی۔ مولانا فضل حکیم پیر پیائی۔ مولانا عبدالحنان صاحب۔ حاجی سیف الرحمان صاحب جہانگیرہ۔ ڈاکٹر صاحب شاہ صاحب مولانا شاہ سید صاحب حاجی حبیب الرحمان صاحب نوشہرہ کلاں۔ الحاج مستنفر خان بنّی۔ حاجی حضرت جمال لاہور۔ مولانا محمد رمضان ملوی حاجی معراج الدین راولپنڈی مولانا صاحبزادہ محمد پنیالہ مولانا نور محمد۔ قاضی فضل دیان عمر زئی۔ اور مولانا سمیع الحق ایڈیٹر الحق۔ مولانا سلطان محمود صاحب ناظم دفتر اہتمام۔ حاجی محمد یوسف صاحب الحاج سید نور بادشاہ الحاج غلام محمد صاحب الحاج رحمان الدین صاحب الحاج ملک امیر الہٰی صاحب اجلاس میں خان محمد حنیف خان صاحبزادہ الحاج عطا محمد خان مرحوم مالک ہوٹل راولپنڈی نے کتب خانہ کی تعمیر کی مد میں پانچ ہزار روپے اور تعلیمی مد میں ایک ہزار چار روپے چندہ دیا۔ سالانہ آمد و خرچ اور منظور شدہ میزانیہ کا تفصیلی نقشہ منسلک ہے۔

نئے تعلیمی سال کا افتتاح ۱۲ر شوال ۱۳۹۴ھ بروز بدھ دار العلوم کے نئے تعلیمی سال کا افتتاح تلاوت کلام پاک اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کے درس ترمذی کے آغاز سے ہوا۔ دار الحدیث میں اس موقعہ پر تمام اساتذہ و طلبہ موجود تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اس موقعہ پر علم کی فضیلت علماء کی ذمہ داریاں حالات حاضرہ کے تقاضے اور علماء کے نازک فرائض پر مفصل تقریر کی اور طلبہ کو نئے سال کیلئے تعلیمی ہدایات دیں۔ کو حضرت شیخ الحدیث نے جامعہ اشرفیہ پشاور کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کی۔ ۱۰ر نومبر کو مدرسہ مدنیہ کیمبلپور اور ۱۷ر نومبر کو جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر کے تعلیمی سال کا افتتاح

مدات خرچ	واقعی خرچہ (پیسہ)	واقعی خرچہ (روپیہ)	میزانیہ ۱۳۹۷ھ (پیسہ)	میزانیہ ۱۳۹۷ھ (روپیہ)
مطبخ	۸۰	۷۲۴۳۶	..	۸۷۵۰۰
ڈاک	۴۳	۱۴۶۸	..	۱۵۰۰
نقد امداد	۰۱	۷۸۴	..	۲۰۰
کرایہ مکانات	..	۲۴۰	..	۲۰۰
روشنی و فٹنگ	۸۸	۲۶۹۱	..	۳۵۰۰
صابن	۲۵	۱۶۸۳	..	۱۴۰۰
رسائل و اخبارات	۶۵	۲۲۴	..	۳۲۰
اشاعت	۷۵	۵۹۳	..	۶۵۰
امتحانات	۷۵	۴۰۴	..	۴۵۰
کتب خرید و مرمت	۸۰	۱۴۹۵	..	۱۵۰۰
باغیچہ	۷۰	۷۵	..	۱۵۰
سفارت	۸۹	۱۳۴۲۰	..	۱۴۵۰۰
سٹیشنری	۱۲	۷۴۷	..	۹۰۰
تنخواہ مدرسین و ملازمین	۳۳	۶۰۷۱۴	..	۶۶۵۰۰
تعلیم القرآن	۷۸	۱۷۷۷۴	..	۱۸۷۰۰
مرمت واٹر پمپ	۱۲	۱۸۶	..	۳۰۰۰
سامان خرید و مرمت	۰۸	۱۶۴۰	..	۱۲۰۰
آب رسانی	۹۰	۹۶۸	..	۱۲۰۰
متفرق	۷۳	۳۹۹	..	۲۰۰
مرمت تعمیر تعلیم القرآن	..	۵۷۳	..	
ٹیلیفون	۹۷	۱۰۰۸	..	۱۰۰۰
مرمت تعمیرات	۴۰	۵۴۲۵	-	۶۵۰۰
آڈیٹ	..	۱۶۰	..	۱۶۰
[illegible] المدارس	..	۴۱۵	..	۴۱۵
[illegible]	۹۸	۳۴۴۰۷	..	۱۸۶۵۰
[illegible] نفات	۵۵	۳۲	..	۴۰۰۰۰ (تعمیر مہمان خانہ)
واپسی [illegible]ت ماخوذہ	-	۴۱۵۰	..	۱۵۰۰۰ (خرید زمین و تعمیر دار التجوید و حفظ القرآن)
	۸۷	۲۲۴۱۲۳	..	۲۸۵۲۹۵

فوّارہ مارکہ
اعلیٰ قسم کا
سُوتی دھاگہ
سنگل اور فولڈڈ
۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک
ہینکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
FOUNTAIN BRAND
فوّارہ مارکہ
تیار کنندگان:
ڈی۔ایم۔ٹیکسٹائل مِلز لمیٹڈ
رجسٹرڈ آفس: ۱۱۶۔ کاٹن ایکسچینج بلڈنگ ــــ پوسٹ بکس نمبر ۴۶۱۷ ــــ کراچی
تار کا پتہ: DOSTCOT ــــ فون ــ ۲۲۱۳۳۰ ــ ۲۲۳۹۱۳
ملز: سٹی چھاؤنی ــ پوسٹ بکس ۵۴ ــــ راولپنڈی
تار کا پتہ: FINETEX ــــ فون ۳۰۵۵۰ ــ ۶۶۹۳۲ ــ ۶۲۷۵۵
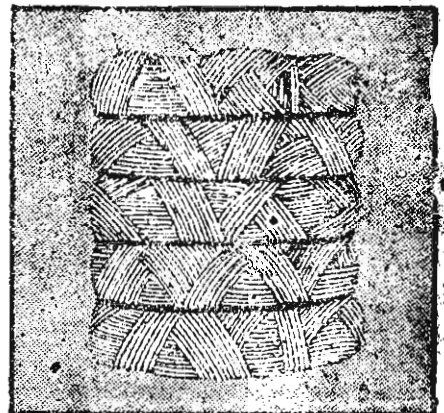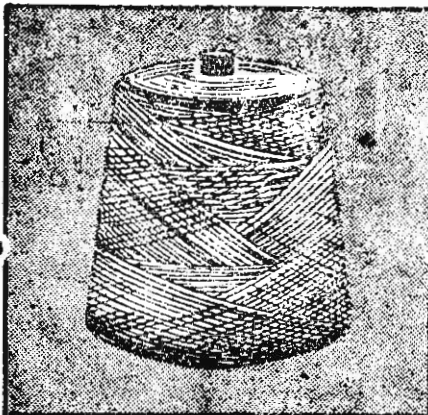
HUSEIN

PAKISTAN LEADING
MANUFACTURERS & EXPORTERS

QUALITY COTTON
FABRICS & YARN
HUSEIN TEXTILE MILLS

COTTON SEWING THRE
& TERRY TOWEL
JAMAL TEXTILE MILL

For enquiries for Sheetings, Cambrics, Drills, Duck, Poplins, Tussores, Gaberdin, Corduroy, Bed-Sheets, Terry, Towels, Cotton Sewing threads and yarbs, please write to:

HUSEIN INDUSTRIES LIMITED

Habib Square, Insurance House, No. 2, 3rd Floor,
M. A. Jinnah Road, KARACHI - 2 (Pakistan)

ناپ تول کا عالمی نظام

رائج کرتے ہوئے پاکستان

ایک نئے عزم کے ساتھ عالمی برادری میں شمولیت اختیار کر رہا ہے
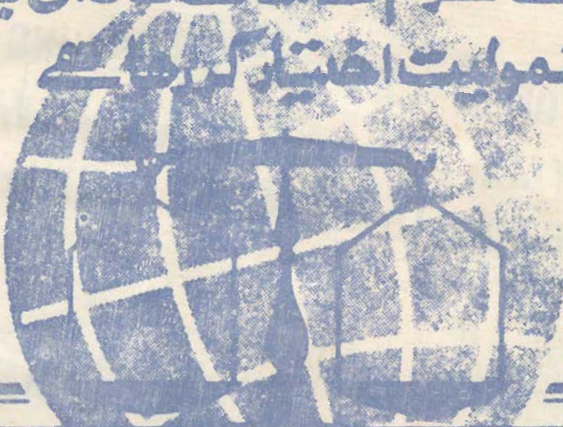
یکم جولائی ۱۹۷۶ء سے بتدریج ملک میں عالمی نظام کا نفاذ ہو رہا ہے۔ جو حکومت کے ایک پُرعزم، دانشمندانہ اور اصلاحی اقدام کا واضح ثبوت ہے۔ پی آئی اے، پی سی ایس آئی آر اور پی اے ای سی کے اداروں میں نئے نظام کے نفاذ پر فوری طور پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ دنیا کے ۸۰ فیصد سے زائد افراد ایسے ممالک میں رہائش پذیر ہیں۔ جہاں عالمی نظام (میٹرک نظام کی نسبتاً آسان اور بہتر شکل) قبل ہی سے رائج ہے۔ انسانی ذہانت نے آج تک جو بھی اصول وضع کئے ہیں ان میں ناپ تول کے عالمی قاعدے انتہائی آسان منظم اور مربوط ہیں۔ لمبائی (میٹر) وزن (کیلوگرام) اور حجم (لیٹر) تینوں کی اکائیاں اس نظام میں براہ راست ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔

نئے نظام کی اصلاحات سے سائنس دان حضرات، تعلیمی ماہرین، صنعت کار، کاشتکار، مزدور، صارفین اور کاروباری حضرات یعنی معاشرہ کے ہر شعبہ کے تمام افراد استفادہ کریں گے۔ ان کا استعمال ہماری روزمرہ کی زندگی میں سودمند ہوگا اور ساتھ ہی عالمی منڈی میں ہمیں بہتر سہولتیں حاصل ہوں گی۔

وزن

۱۰۰۰ ملی گرام = ۱ گرام
۱۰۰۰ گرام = ۱ کیلوگرام
۱۰۰۰ کیلوگرام = ۱ میٹرک ٹن

لمبائی

۱۰ ملی میٹر = ۱ سینٹی میٹر
۱۰۰ سینٹی میٹر = ۱ میٹر
۱۰۰۰ میٹر = ۱ کیلومیٹر

حجم

۱۰۰۰ ملی لیٹر = ۱ لیٹر
۱۰۰۰ لیٹر = ۱ کیلولیٹر

سہولت اور یکسانیت کے لئے

ناپ تول کا عالمی نظام

جاری کردہ وزارت صنعت (شعبہ اوزان و پیمائش) حکومت پاکستان